بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمـَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

(ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا تاکہ تم جو اہل عرب ہو اس کو سمجھو)

(سورہ زخرف آیت 2)

توضیح البیان فی اصول القرآن

جس میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ آیا اسلام کے اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت ہے یا نہیں

مصنفہ

علامہ مرحوم برکت اللہ۔ ایم۔ اے ایم۔ آر۔ اے۔ ایس

مصنف

مسیحیت اور سائنس۔ دشت کربلا یا کوہ کلوری۔ محمد عربی۔ نور الھدیٰ
دین فطرت اسلام یا مسیحیت؟ اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی؟
مسیحیت کا عالمگیری۔ صحت کتب مقدسہ وغیرہ وغیرہ

1939

دیباچہ

رسول عربی ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ مدت پہلے جمعة الوداع کے موقع پر مکہ میں اہل عرب کو یہ پیغام سنایا تھا۔ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا " آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو چنا (سورہ مائدہ آیت 5)۔

منجی عالمین سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنی رسالت کے ابتدائی ایام میں علی الاعلان فرمایا تھا کہ آپ کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ بنی آدم کی نجات کا کام مکمل اور پورا ہو (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا رکوع 3آیت 16 ورکوع 4آیت 34وغیرہ) مصلوب ہونے سے ایک رات پہلے آپ نے خدا سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ بنی آدم کی نجات کا کام جو تونے مجھے کرنے کو دیا تھا اس پورا کرکے میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا۔" (حضرت یوحنا رکوع 17آیت 4) اور صلیب پر سے آپ نے دم واپسین اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ " پورا ہوا اور آپ نے جان دے دی۔" (حضرت یوحنا رکوع 19آیت 30)۔

پس ارضِ مقدس کے کوہِ کلوری سے اور دشتِ عرب کے شہر مکہ سے ایک ہی آواز بلند ہوتی ہے کہ " پورا ہوا" گذشتہ تیرہ صدیوں سے مسیحیت اور اسلام میں متنازعہ فیہ امر یہی رہا ہے کہ کونسا مذہب جامع کامل اور عالمگیر ہے؟ کس دین کے اصول بنی نوع انسان کی اقوام وملل کی روحانی اقتضاؤں کو پورا کرتے ہیں؟ کس مذہب کا بانی انسانِ کامل ہے جو کل دنیا کی اقوام کے افراد کے لئے کامل اور اکمل نمونہ ہوسکتا ہے؟ کونسا مذہب گم شدہ گنہگار انسان کو یہ توفیق بخش سکتا ہے کہ وہ ازسرِ نو دنیا نفس اور شیطان پر غالب آکر صراط مستقیم پر چل سکے؟

(2)

ہم نے اپنی کتاب " مسیحیت کی عالمگیری " (جو کہ ویب سائٹ پر عالمگیر مذہب کے نام سے دستیاب ہے)میں مندرجہ بالا سوالوں پر بالتفصیل بحث کرکے ثابت کردیا ہے کہ

مسیحیت کے اصول جامع اور کامل ہیں۔ اور ان میں یہ صلاحیت ہے کہ دنیا کی ہر قوم وملت کی رہنمائی کرسکیں۔ ہم نے شخصیت مسیح پر مفصل بحث کرکے ثابت کیاہے کہ ابن اللہ دنیا کے تمام افراد کے لئے ایک ایسا کامل نمونہ ہیں جو بنی نوع انسان کو شیطان کی غلامی سے نجات دے کر یہ توفیق بخشتے ہیں کہ وہ خدا کے فرزندوں طرح زندگی بسر کرسکیں۔

ہم نے اپنی کتاب "دین فطرت اسلام یا مسیحیت ؟" میں یہ ثابت کیاہے کہ مسیحی اصول نوع انسانی کے فطرتی میلانات اور رحجانات کو بطرز احسن پورا کرتے ہیں۔ ہم نے اس نقطہ نگاہ سے اسلامی اور مسیحی تعلیمات کا موزانہ اس غرض سے کیا ہے کیونکہ بعض مسلم علما اسلام کی حقانیت کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہے لہذا وہ برحق ہے ۔ چنانچہ مرحوم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب دہلوی، سرسید احمد بالقابہ کی پیروی کرکے کھتے ہیں " تمام ادیان میں دینِ فطرت ہی دینِ برحق ہے ۔ دین اسلام وہی دین فطرت ہے یعنی فطرت اور اسلام نام دو ہیں مصداق اور مسمیٰ ایک ہے ۔ (امہات الامتہ صفحہ 50)۔ پس ہم نے اپنی کتاب " دین فطرت ۔اسلام یا مسیحیت ؟" میں اسلامی اور مسیحی اصول دین کا بشری طبعیت کے نقطہ نگاہ سے مقابلہ اور موزانہ کیاہے ۔ منصف مزاج ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ ہر دو مذاہب میں کونسا مذہب درحقیقت دین فطرت کھلانے کا مستحق ہے۔

(3)

اس مختصر رسالہ میں ہم فقط اسلامی اصول پر ہی بحث کرنے پر اکتفا کرینگے ۔ اور انشاء اللہ یہ ثابت کرینگے کہ اسلامی اصولِ دین بذات خود غیر مکمل اور ناقص ہیں اور عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہم نے اپنے استدلال کی بنا قرآن اور صرف قرآن پر ہی رکھینگے تاکہ برادرانِ اسلام پر اتمام احجت ہوجائے اور کسی فرقہ کو مجال انکار نہ رہے ۔ کیونکہ فی زمانہ میں ایک عام رواج ہوگیا ہے کہ اپنے نظریوں کو تقویت دینے اور استدلال کے آہنی پنجہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ثقہ راویوں کو کاذب اور صحیح حدیثوں کو جھوٹی روایات کھہ دیا جاتا ہے ۔ پس ہم نے اپنے جائز حقوق سے دست برداری کرکے برداران اسلام کو یہ رعایت دے دی ہے تاکہ وہ کتاب کے خاص موضوع پر غور کرسکیں اور ان کی توجہ احادیث کے صحیح اور غلط ہونے کی مبحث کی آزمائش میں نہ پڑے ۔

اس رسالہ میں صرف اسلامی اصول کی غیر مکمل حالت پر بحث کی جائیگی ۔ انشاء اللہ کسی دوسرے رسالہ میں ہم اسلامی تاریخ پر تبصرہ کرکے ثابت کرینگے کہ اسلامی اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت مطلق موجود نہیں ہے کیونکہ جب کبھی ان کا اطلاق غیر عرب ممالک پر کیا گیا تو ترقی کا باب مسدود ہوگیا۔

(4)

چوتھی صدی شاہنشاہ تھیوڈوسیس اول (Theodosius 1) نے شہر دمشق میں " مقدس یوحنا اصطباغی " کا عالی شان گرجہ (Church Of St.John The Baptist) تعمیر کیا۔ جب اہل اسلام نے اس شہر پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے اس خوبصورت گرجا کے آدھے حصہ کو مسجد بنالیا ۔اس گرجا کی بیرونی مشرقی دیوار کے پتھروں پر یونانی حروف میں یہ کتبہ کنندہ تھا" اے مسیح تیری بادشاہی ابدی بادشاہی ہے اور تیری حکومت پشت در پشت قائم رہتی ہے ۔"(زبور شریف 145آیت 14) خدا کی قدرت دیکھو یہ کتبہ عرب فاتحین کےہاتھوں سے محفوظ رہا ۔ آٹھویں صدی کے شروع میں بنی امیہ نے گرجہ کی اندرونی عمارت کو شہید کرکے اس پر ایک عالی شان عمارت کھڑی کردی جس کی آرائش پر بارہ سو یونانی صناع مامور تھے لیکن گرجا کی بیرونی دیوار ان کی دستبرد سے محفوظ رہ گئی۔ گیارہویں صدی میں اس مسجد کو آگ لگ گئی لیکن یہ دیوار بچ گئی اور اس پر کا کتبہ من وعن محفوظ رہا ۔ یہ مسجد دوبارہ تعمیر کی گئی لیکن چودہویں صدی میں تیمور کی لُوٹ کے دوران میں مسجد کو نقصان پہنچا۔ لیکن دیوار کا کتبہ جوں کا توں قائم رہا۔ اس دیوار کے قریب اہل اسلام نے منارۃ المسیح بھی بنایاہے اور حدیث کے مطابق سیدنا عیسیٰ مسیح کی آمد ثانی اسی منارہ پر ہوگی۔ پس یہ کتبہ صدیوں سے کلیسیا کے لازوال ایمان کا خاموش گواہ رہا ہے کہ " مسیح کی بادشاہی ابدی بادشاہی ہے اوراس کی حکومت پشت در پشت قائم رہتی ہے ۔"

جب مسلمانوں نے مسیحی دارالسلطنت قسطنطنیہ کو جس کا موجودہ نام استنبول ہے فتح کیا تو وہاں کے عالی شان گرجا سینٹ صوفیا (St. Sophia Church) کو مسجد بنادیا گیا۔ اور زمین سے ایک سو اسی فٹ اونچی جگہ پر جہاں صلیب نصب تھی ہلال کا نشان قائم کردیا گیا۔ مسلمان فاتحین نے گرجا کی عمارت میں مسیحیت کے تمام نشانات مٹادئے۔ اس کے اندر قرآنی آیات لکھی گئیں۔ اسلامی منبر کھڑا کردیا گیا۔ اور ایک طاق قبلہ روبنائی گئی تاکہ نماز کےوقت اس جانب نمازی منہ پھیر سکیں۔ گرجا کے مشرقی کونہ میں رنگ برنگ قیمتی شیشوں اور چمکدار پتھروں کے نقش ونگار سے منجی عالمین سیدنا مسیح کی شبیہ مبارک بنی تھی جس میں آپ نے اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر تمام دنیا کو برکت دے رہے تھے۔ ترکوں نے اس تصویر پر نقشین بیل بوٹے بنا کر اس کو چھپا دیا۔ امتداد زمانہ سے وہ بیل بوٹے مٹ گئے اور اب منجی عالمین کی مبارک شبیہ دھندلی طور پر نظر آنے لگی ہے اور آپ اس مسجد سے اپنے ہاتھ پھیلا کر تمام دنیا کو برکت دے رہے ہیں۔

پانچ سال کا عرصہ ہوا جب اسی مسجد کے شاہی دروازہ کو صاف کیا گیا تو سیدنا مسیح کی ایک اور تصویر پیچی کاری اور جڑاؤ کام کی نکلی ۔ اس تصویر میں ہمارے خداوند ایک مرصع تخت پر بیٹھے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک کتاب کھلی ہے جس پر لکھا ہے ۔" السلام علیکم میں دنیا کا نور ہوں۔".(Manchester Guardian Weekly March 16 1934 , p213)

یہ تصویر اور کتبے ہم کو یاد دلاتے ہیں کہ گو تاریخ دنیا میں بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخالف طاقتوں نے مسیحیت کے آفتاب صداقت کو چھپادیا ہے تاہم بالآخر اس کی روشنی ہر قسم کی تاریکی پر غالب آتی ہے ۔" کلمتہ اللہ میں زندگی ہے اور وہ زندگی آدمیوں کا نور ہے نور تاریکی میں چمکتا ہے اور تاریکی اس پر غالب نہیں آسکتی "(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا رکوع 1 آیت 4و5)سلطان السلاطین مسیح ازل سے ابد تک تخت نشین ہے ۔ اس کی بادشاہی ابدی بادشاہی ہے ۔ اس کی حکومت پشت در پشت قائم رہتی ہے ۔ وہ تمام ممالک واقوام کو اپنی آغوش محبت میں لے کر برکت دیتا ہے اور کل بنی نوع انسان کو برکت دے فرماتا ہے کہ "السلام علیکم دنیا کا نور میں ہوں جو میری پیروی کرے گا اندھیرے میں نہ چلیگا بلکہ زندگی کا نور پائیگا۔" (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنار کوع 8آیت12)۔

ہولی ٹرنٹی چرچ۔لاہور

اکتوبر 1939ء

برکت اللہ

فصل اوّل

حضرت محمد ﷺ صرف قوم عرب کے رسول تھے

ہم نے اپنے رسالہ "اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی ؟" میں یہ ثابت کردیاہے کہ سیدنا مسیح نے اپنی رسالت کو یہودی قوم تک ہی محدود نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ کو یہ احساس تھا کہ آپ کے پیغام کے اصول تمام دنیا کی اقوام کے لئے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام ایک خاص قوم اور ملک یعنی عرب سے مخصوص ہے ۔ اس کا دستور العمل صرف ان عربوں کے لئے تھا جو تیرہ سو سال ہوئے ملک عرب میں بستے تھے ۔ حضرت محمد ﷺ بھی صرف عرب ہی کے رسول تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ اپنے ہمعصر اہل عرب کو ہی راہ ہدایت پر لائیں۔ چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتا ہے " (اے محمد) تو اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا اور ان کو خدا کی طرف پھیر لا"(شعرا 214)"ہم نے (اے محمد) تجھ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا تا کہ تو بڑی بستی (مکہ) اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائے ۔" (شوریٰ ع1)"یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے برکت والی ہے اور پہلی کتابوں کی مصدق اس لئے ہے کہ اس شہر مکہ اور اس کے نواحی کو ڈرائے۔"(انعام ع11)آنحضرت ﷺ اہل عرب کی خاطر اس واسطے مبعوث ہوئے تھے کہ ان معارف حقائق اور اصول کو جو عبرانی اور یونانی کتب مقدسہ میں تھے " فصیح عربی زبان" میں عربوں کو بتادیں اور اس طرح ان کو عالمگیر مذہب یعنی مسیحیت کی تعلیم اور اصول سے واقف کرادیں کیونکہ اس کی کتب مقدسہ "ہدایت" "نور اور" علی الذی احسن و تفصیلاً کل شئی ۔" تھیں لیکن عرب ان کتب کی زبانوں سے ناآشنا تھے اور کہتے تھے کہ " اللہ کی کتاب یہود اور نصاریٰ دوہی فرقوں پر اتری ہے اور ہم تو اس کو پڑھ نہیں سکتے ۔" (انعام 156) آنحضرت نے ان کا یہ عذر رفع کردیا اور عبرانی اور یونانی کتب مقدسہ کا مفہوم عربی زبان میں ادا کرکے عرب پر اتمام حجت کردی چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتا ہے " ہم نے اس عربی قرآن کو بنایا تا کہ اے عرب تم اسے سمجھو (زخرف ع 1) اب تو تمہارے رب کی طرف سے تم کو حجت اور ہدایت اور رحمت آگئی پھر اس شخص سے کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ کی آیتوں سے روگردانی کرے ۔ ہم روگردانی کرنے والے کو سزادینگے ((الانعام 158)"اے پیغمبر کچھ شک نہیں کہ یہ قرآن پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے جس کو جبریل امین نے ہمارے حکم سے سلیس عربی زبان میں تمہارے دل پر القا کیا ہے تا کہ اور پیغمبروں کی طرح تم بھی لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔" (شعرا 193) حضرت محمد ﷺ اہل عرب کو کہتے تھے کہ جس طرح اہل یہود کے انبیاء مرسل من اللہ تھے اور ان کی کتب برحق ہیں اسی طرح میں بھی اللہ کی جانب سے عرب کی طرف رسول ہو کر بھیجا گیا ہوں اور میرا قرآن بھی سچاہے کیونکہ اس میں وہی احکام ہیں جو یہود و نصاریٰ کی کتب میں ہیں" یہ قرآن ایسا نہیں جس کو اللہ کے سوا کوئی اور گھڑے ۔ وہ کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہے اور بائبل کی تفصیل ہے جس کی نسبت کوئی شک نہیں کہ وہ پروردگار عالم کی طرف سے ہے ۔" (یونس 38 نیز دیکھو طہٰ ع 8 ۔ شعرا ع 11 ۔ بقر ع 26۔ حدید ع 11 یوسف ع 12 بقر ع 12 ۔ انعام ع 11 وع 19۔ مائدہ ع 7 وع 9 وع 10 ۔ نساء ع ع 7 ۔ بقر ع 5 وع 11 ۔ مومن ع 6 وغیرہ) آنحضرت نے کفارہ کو کہا کہ تمہارے دلوں میں یہود و نصاریٰ کی کتب کا وقار ہے پس قرآن کو بھی مان لو کیونکہ " یہ قرآن اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے کیا اہل مکہ کے لئے (اس کی صداقت کی دلیل) یہ کافی نہیں کہ اس قرآن (کے مضامین) سے علماء بنی اسرائیل واقف ہیں۔" (شعرا 193 تا 197)۔

پس مندرجہ بالاآیات سے ظاہر ہے کہ آنحضرت کا پیغام اہل عرب تک محدود تھا۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ جس طرح اہل یہود و نصاریٰ شرک اور بت پرستی کو ترک کرکے ابراہیم خلیل اللہ کے مذہب کی پیرو ہیں اسی طرح آپ کے ہمعصر کفار عرب بھی بت پرستی اور شرک سے منہ موڑ کر خدا کی توحید پر ایمان لائیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اہل عرب کو یہ آیت سنائی۔ اے اہل عرب ۔ خدا فرماتا ہے " آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور (اے عرب کے لوگو) میں نے تمہارے لئے اسلام کو چنا ۔" (مائدہ 55)۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ آپ کا دین سب پر غالب رہیگا۔ پس آنحضرت کے خیال میں اسلام صرف عرب کے لئے ہی نہ تھا۔

لیکن اس قول سے آنحضرت کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسلام اقوامِ عالم کا مذہب ہوگا بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ عرب میں اسلام سیاسی طور پر غالب رہیگا اور گو ملکِ عرب میں کفار اور یہود اور نصاریٰ کے مذاہب ہونگے لیکن مسلمان سب پر حکومت کرینگے ۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی کہ " (اے محمد) تو کہہ دے کہ اے کافرو میں ان چیزوں کی ہر گز پرستش نہ کرونگا جن کی تم پرپرستش کرتے ہو اور جس کی میں پرستش کرتا ہوں تم اس کی پرستش کرنے کے نہیں۔ پس تمہارے واسطے تمہارا دین اور میرے واسطے میرا دین ہے" (کافرون 6) اور یہود کی نسبت قرآن میں خدا کہتا ہے " یہ لوگ کیوں تمہارے پاس جھگڑے فیصلے کو لاتے ہیں جب کہ خود ان کے پاس توریت ہے اور اس میں حکم خدا موجود ہے ۔ بیشک ہم ہی نے توریت نازل کی جس میں ہر طرح کی ہدایت اور نور ایمان ہے ۔خدا کے فرمانبردار انبیاء بنی اسرائیل اسی کے مطابق حکم دیتے چلے آئے ہیں۔" (مائدہ 47و48 ترجمہ نذیر احمد)پھر اسی کے آگے نصاریٰ کو کہتا ہے کہ وہ بھی انجیل پر چلیں۔" ان ہی بنی اسرائیل کے انبیاء کے قدم بقدم ہم نے عیسیٰ بن مریم کو توریت کا مصدق بنا کر بھیجا اور ہم نے اس کو انجیل دی جو ہدایت اور نور ہے اور پرہیز گاری کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ۔ اور چاہئیے کہ اہل انجیل اس کے موافق جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے ۔ حکم دیا کریں اور جو کوئی خدا کے ان نازل کئے ہوئے حکموں کے مطابق حکم نہ دے تو وہ فاسق ہے ۔" (مائدہ 50و51) پس رسول عربی کا حقیقی منشاء یہی تھا کہ ملک عرب میں کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی بسیں لیکن مسلمان حاکم ہو کر رہیں اور دیگر محکوم کی حالت میں ذلیل ہو کر رہیں اور جزیہ دیں (سورہ توبہ آیت 29)۔

مشہور فاضل مستشرق ایف بہل (F.Buhl.) نے اس سوال پر 1926ء کے اسلامیکا جلد 2 (Islamic 1926 Vol 2)میں مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ابتدا میں اسلام کا ہر گز منشاء نہ تھا کہ غیر عرب کو اپنا حلقہ بگوش کرے ۔ ایک اور فاضل مستشرق لیوی کا خیال ہے **1*** کہ وہ خطوط جن کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ آنحضرت نے ان کو ایام مدینہ میں مختلف ممالک کے روساء کے پاس بھیجا تھا بعد کی نسلوں نے وضع کئے ہیں۔ اس کے خیال میں اگر ہم تمام شہادتوں کی مدِ نظر رکھیں تو یہ معلوم ہوجائیگا کہ رسول عربی کے دل میں بعثت کی ابتدا میں مکی ایام میں ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد ڈالنے کا خیال کبھی نہ آیا تھا آپ کا واحد مقصد یہ تھا کہ آپ اپنے ہم وطنوں کو یہ یقین دلائیں کہ آپ خدا کی طرف سے فرستادہ رسول برحق تھے۔

1*۔1Sociology of Islam by Reuben Levy. Vol 1

مدنی ایام میں بھی رسول کی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ کسی نہ کسی طرح مکہ کو جو عرب کا روحانی مرکز تھا۔ فتح کیا جائے اور اگرچہ آپ کی حین حیات میں اور آپ کی وفات کے بعد دیگر شہر اسلام کے قبضے میں آئے تاہم مکہ ابتدا سے آج تک اسلام کا روحانی مرکز چلا آیا ہے ۔ شہر مکہ غیر عرب کی نظر میں کوئی خاص وقعت نہ رکھتا تھا لیکن اس کا اسلام کا روحانی مرکز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام مکہ اور عرب کے قبائل کے لئے تھا۔ رسول عربی نے مدنی ایام میں مکہ کے خانہ کعبہ کو یروشلم کی بجائے قبلہ مقرر کیا اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپ کے خیال میں آپ کا مشن عرب اور صرف عرب تک ہی محدود تھا۔

پس جس طرح دیگر پیغمبر اپنی اپنی قوم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آنحضرت بھی قوم عرب کی طرف بھیجے گئے تھے تاکہ عربی زبان میں کلام کرنے کے مشرکین اور بت پرست کفار پر اتمام حجت کریں جو کہتے تھے کہ ہم غیر عربی زبانوں سے ناواقف ہیں ہم کو وحدت الہیٰ کا پیغام کسی نے نہیں سنایا اگر خدائے واحد کو یہ منظور ہوتا کہ ہم بھی مثل دیگر اقوام یہود و نصاریٰ کسی واحد خدا کو مانتے تو وہ ہماری قوم کی طرف بھی کسی کو رسول بنا کر بھیجتا جو ہماری اپنی زبان میں ہم کو پیغام دیتا پس آنحضرت کے صحیح مخاطب عرب اور اہل عرب ہی تھے آپ قوم عرب کی خاطر مبعوث ہوئے تھے اور آپ کا پیغام اور رسالت ام القریٰ مکہ اور اس کی نواحی تک ہی محدود تھا۔ غرضیکہ آپ ہر پہلو اور ہر نقطہ نظر سے رسول عربی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت کی نسبت کہا جاتا ہے ۔ ع مرحبا سیدِ مکی مدنی والعربی

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت عمر کے زمانہ میں اسلام غیر عرب ممالک میں پھیلنے لگا لیکن اسلاف کا یہ خیال کہ مسلمان فاتحین محض اسلام اور قرآن کو پھیلانے کی خاطر غیر ممالک پر فوج کشی کرتے تھے غلط ہے ۔ رسول عربی کی وفات کے بعد منافقین اور مرتدین کا گروہ کثیر۔ صحابہ رسول اور اہل بیت کی اندرونی کشمکش ۔ قریش اور غیر قریش کی رقابت جنگ جمل اور واقعہ کربلا وغیرہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ درحقیقت اسلام کا درد صرف معدودے چند لوگوں کے دلوں میں تھا جو نبی عرب کی شخصیت سے متاثر ہوچکے تھے ۔ باقی عرب اسلام کی بابت بہت کچھ جانتے تھے اور نہ پروا کرتے تھے ۔ جو شے عرب کو ان کے صحرائی جزیرہ نما سے باہر نکال لائی وہ اسلام کا پاس نہ تھا بلکہ ان کی اقتصادی حالت اور ان کی بھوک اور پیاس تھی۔

علاوہ ازیں مسلمان فاتحین کی سب سے زبردست فتوحات ملک شام میں واقع ہوئیں جو خلفائے بنی امیہ کا حسین قلعہ تھا۔ ان فتوحات کا اصلی سبب مسیحی فرقوں کی باہمی پرخاش تھا۔ جس کی وجہ سے سلطنت روم (قسطنطنیہ) کی مسیحی افواج نے اپنے ہمراہی افواج سے غداری اختیار کرکے ان کا ساتھ چھوڑدیا ۔ اگر یہ غدارانہ رویہ اختیار نہ کیا جاتا تو اسلامی تاریخ کے اوراق کسی اور طرح لکھے جاتے اور اسلام جزیرہ نمائے عرب تک ہی محدود رہتا جیسا اس کے بانی کا مقصد اور منشاء تھا۔

فصل دوم

تصور خدا

عالمگیر مذہب کی لازمی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول دنیا کے کل ممالک اور اقوام پر حاوی ہوسکیں۔ اور اس کا پیغام یہ اہلیت رکھتا ہو کہ زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہو اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو تاکہ ہر قوم اور ملک اور زمانہ کے افراد اپنے خاص حالات پر اس کا اطلاق کرکے اس کی تعمیل کرسکیں۔

ہم نے اپنی کتاب "مسیحیت کی عالمگیری " کے باب دوم میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحیت کی تعلیم کی اساس خدا کی محبت اور ابوت اور انسانی اخوت اور مساوات ہیں۔ اس حقیقت سے کسی صاحبِ عقل کو انکار کی مجال نہیں ۔ چنانچہ مرحوم سید امیر علی صاحب (جن سے بڑھ کر اس زمانہ میں کوئی دوسرا حامی اسلام نہیں گذرا) اس حقیقت کا اعتراف بایں الفاظ کرتے ہیں" خدا کی ابوت کا جو تصور جنابِ مسیح کا تھا اس میں کل بنی آدم شامل ہیں۔ ہر انسان خدا کا فرزند ہے اور آپ ازلی باپ کی طرف سے تمام انسانوں کے ہادی ہو کر آئے تھے۔1*۔

1* Spirit of Islam .p.232

یہ ظاہر ہے کہ مسیحیت کے یہ اصول اعلیٰ ترین ہیں اور زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہیں لہذا ہر زمانہ میں ہر ملک اور قوم کے افراد ان پر عمل کرسکتے ہیں لیکن یہ عالمگیر اصول اسلام میں کالنادر فی المعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ اسلام میں خدا کے ننانوے نام ہیں لیکن ان ننانوے ناموں میں " اب" یعنی باپ کا نام موجود نہیں اور نہ اس لفظ کا لطیف اور پاکیزہ مفہوم کسی اور نام سے قرآن میں موجود ہے ۔ خدا کے تصور "اب" یا "رب" ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ پہلا تصور کلمۃ اللہ کا ہے ۔ دوسرا تصور اسلامی تصور ہے ۔ جو اسلام کی طبعیت ،اصول اور شیوہ کا مظہر ہے ۔ یہی تصور اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کے مانع ہے۔ رب کا تصور اسلام کی روح رواں ہے ۔ اور آنحضرت ﷺ نے دیدہ دانستہ اس کو " باپ" کے تصور کی بجائے قائم کیا تاکہ خدا کے "باپ" ہونے کا تصور لوگوں کے دلوں سے نکل جائے ۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب الطب میں لکھاہے1* حضرت نے فرمایا کہ" اگر کوئی بیمار ہو تو وہ یہ دعا پڑھے۔ اے ہمارے رب جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری قوت آسمان اور زمین پر ہے ۔ جس طرح آسمان پر تیرا رحم ہے اسی طرح زمین پر بھی ہو ہمارے قصوروں اور گناہوں کو معاف کر کہ تو نیک لوگوں کا مولیٰ ہے اور اپنے رحم سے ہم پر رحم نازل کر۔" جو لوگ جنابِ مسیح کی دعا (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی رکوع 6آیت 9تا13) سے واقف ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ مذکورہ بالا دعا میں خدا کی نسبت لفظ" باپ" کی بجائے لفظ" رب" دیدہ دانستہ استعمال کیا گیاہے۔

1*Browne's Eclipse of Christianity in Asia . ch:7

اسلام کا اللہ تعالیٰ حی القیوم۔ قادر مطلق قہار اور جبار ہے۔ اس کا اور خلق کا باہمی تعلق خود مختار سلطان اور رعیت ،آقا اور غلام کا تعلق ہے۔ خدا اور اس کی مخلوق میں باپ اور بیٹے کا تعلق نہیں۔ اگر اللہ مہربان غفار اور الرحمٰن الرحیم ہے تو اپنی پدرانہ شفقت اور ازلی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ خسروانہ عنایت کی وجہ سے ہے۔ اگر آقا چاہے تو اپنے غلام کو معاف کرے اگر چاہے تو سزادے۔ سب کچھ اللہ کی مطلق العنان مرضی پر موقوف ہے جس کو چاہے معاف کرے جس کو چاہے عذاب دے۔(بقر آیت 284،آل عمران 25و35 ،مائدہ آیت 44)۔

پس قرآن کا اللہ ایک قادر مطلق سلطان ہے جو ایک ذمہ وار ہستی نہیں بلکہ " اللہ جو چاہے حکم دے۔" (مائدہ آیت 1) لہذا قربانیوں کے وسیلہ سے اس کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن مسیحیت کا خدا محبت کا خدا ہے۔ "وہ گنہگاروں کی موت نہیں چاہتا" بلکہ یہ چاہتا ہے کہ گنہگار اس کی جانب رجوع کرے۔ جس طرح دنیاوی باپ کی محبت اور دنیاوی ماں کی ممتا اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کا نافرمان بیٹا ان کی جانب رجوع کرے اور اس بات کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اسی طرح خدا کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ ہر ممکن طور سے گنہگاروں کو اپنی جانب لائے۔(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا رکوع 3 آیت 16 حضرت متی رکوع 18 آیت 14 حضرت مرقس رکوع 2 آیت 17 وغیرہ)۔

چونکہ اسلام کا اللہ محبت نہیں لہذا اس میں محبت کا کفارہ نہیں ہاں قربانی ،صدقہ ،زکواۃ وغیرہ ہے۔ جس کو پورا کرنے سے ایک قہار اور جبار ہستی کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

لیکن انجیل جلیل کی یہ تعلیم ہے کہ خدا کی ذات محبت ہے (انجیل شریف خطِ اول حضرت یوحنا)۔

قرآن میں خدا محبت ہونے کی بجائے " بے نیاز" ہے (اخلاص آیت 2)وہ " بے پرواہ" ہے۔ (انعام 133۔ ممتحنہ 6وغیرہ) محبت اور بے پروائی ایک دوسرے کے کلیتہً متناقض ہیں۔ جہاں محبت ہے وہاں بے پروائی نہیں ہوسکتی اور جہاں بے پروائی ہے وہاں محبت کا نشان تک نہیں ہوتا۔

ہم نے اسلامی تصورِ خدا پر اپنی کتاب " دینِ فطرت ۔اسلام یا مسیحیت ؟" کی فصل دوم میں مفصل بحث کی ہے۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اس مضمون پر غور کرکے منصفانہ نظر سے خود فیصلہ کریں کہ مسیحیت کے مقابلہ میں اسلامی تصورِ خدا غیر مکمل اور ناقص ہے یا نہیں۔ انجیل جلیل میں خدا کی محبت کا بہترین تصور بطرز احسن موجود ہے۔ آنجہانی خواجہ کمال الدین قادیانی تک کو اس بات کا اقبال ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ " میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ جناب مسیح مذہبِ محبت کو ہی دنیا میں لائے۔"(ینابیع صفحہ 114)۔ اسلامی صفات والا خدا دورِ حاضرہ کی پرستش کے لائق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ محض ایک مطلق العنان بادشاہ ہے جس کی قدرت اس کی طاقت کے مظاہرہ پر ہی مشتمل ہے لیکن ہم اس قسم کے تصورات سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ دورِ حاضرہ کے لوگ صرف ایسے خدا کو ہی مان سکتے ہیں جس کی ذات محبت ہے۔ پس اسلامی تصور موجودہ نسل کے لئے ناقص ہے لیکن مسیحی تصورِ خدا ایک کامل تصور ہے۔ جو تمام اقوام ممالک وازمنہ کے لوگوں کے لئے بشارت کا باعث رہا ہے۔

فصل سوم

اصولِ اخوّت

ہم نے اپنی کتاب " مسیحیت کی عالمگیری " کے بابِ دوم میں اس موضوع پر مفصل بحث کرکے یہ بتلایا ہے کہ انجیل جلیل اخوت انسانی کا سبق دیتی ہے اور مساوات کی تعلیم وتلقین کرتی ہے۔چونکہ خدا کل بنی نوع انسان کا باپ ہے لہذا سب بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں کلمۃ اللہ نے حکم دیا کہ سب انسان بلا امتیاز رنگ نسل ، مذہب ، درجہ یا قوم وغیرہ ایک دوسرے سے اپنے برابر محبت رکھیں۔

(2)

لیکن قرآن مجید اخوتِ انسانی کی تعلیم نہیں دیتا۔ ہاں اخوتِ اسلامی کی تعلیم ہے۔ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں (حجرات 10) پس قرآن اخوتِ انسانی کو محدود کرکے لاتعداد انسانوں کو اخوت کے حلقہ سے خارج کردیتا ہے۔ اور ان کی نسبت حکم کرتا ہے کہ (اے مسلمانو) ان کو یہاں تک قتل کرو کہ فتنہ (یعنی غلبہ کفر) نہ رہے اور تمام دین خدا کا ہوجائے۔ جنگ کفار کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے قوت اور گھوڑے باندھنے کی تیاری کرو تاکہ ایسا کرنے سے تم اپنے اور خدا کے دشمنوں کو ڈراؤ۔ اے نبی ۔ مسلمانوں کو لڑائی پر ابھارو۔" (سورہ انفال ترجمہ فیض بخش ایجنسی)"اے نبی ۔ کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر۔(سورہ تحریم) وغیرہ "البتہ اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بصف ہوکر اس طرح لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پگھلائی دیوار ہیں۔" (سورہ صف ع 1)۔"تم پر قتال فرض کردیا گیا اور وہ تم پر شاق گذرتا ہے ۔ ممکن ہے کہ ایک بات تم کو بری لگے لیکن وہ درحقیقت تمہارے لئے اچھی ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے "(سورہ بقر 26) "تم کافروں کے مقابلہ میں جہاں تک تم سے ہوسکے اپنا زور تیار رکھو اور گھوڑے باندھے رکھو۔ اس سامان سے اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن اور ان کے سوا دوسروں پر تمہاری دھاک رہیگی جن کو تم نہیں جانتے پر اللہ جانتا ہے۔" (سورہ انفال ع 8)۔"مومنو۔ اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کی نسبت کفر کو دوست رکھیں تو تم ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔" (سورہ توبہ) " تو کافروں کی بات نہ مان اور ان کا بڑے زور کے ساتھ مقابلہ کر ۔" (فرقان 54)"مومنو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کو اور میری مرضی کی تلاش میں نکلے ہو تو ان کو دوست نہ بناؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہارے رشتے کام آئینگے اور نہ تمہاری اولاد۔ اللہ تم کو ان کی دوستی سے منع کرتا ہے جو دین پر تم سے لڑے ۔ مومنو۔ جب تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کافروں کی طرف واپس نہ لوٹاؤ۔ نہ وہ کافروں کو حلال ہیں اور نہ کافر ان کو حلال ہیں۔ اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں میں جا ملے تم کافروں کو کھپا مارو۔" (سورہ ممتحنہ ۔ سورہ انفال ع 2 سورہ نساء ع 17وغیرہ وغیرہ) ہم آیات قرآنی کے اقتباسات کرکے اس رسالہ کو طول نہیں دینا چاہتے۔ ناظرین کو اپنے رسالہ " دین فطرت ۔ اسلام یا مسیحیت ؟" کی فصل پنجم کی طرف متوجہ کرتے ہیں جہاں ان آیات پر بحث کی گئی ہے۔

(3)

خواجہ کمال الدین مرحوم کہتے ہیں " فضلائے مسیحیت نے مذہبِ محبت کی فہرست میں اسلام کو داخل کرنے سے تامل کیا ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں شاید ان جنگوں کا خیال ہوگا جن کی اجازت اسلام دیتا ہے لیکن موجودہ جنگ نے اس ہذیان کامنہ بند کردیا ہے جو اسلام کے خلاف عیسائی مشنری پراپاگنڈا اس امر میں کیا کرتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے جنگِ عظیم پیدا کرکے ان پادریوں کے ہاتھ سے سب ان کے مفروضہ معتقدات خاک میں ملادئے۔ جون 1917ء میں لندن کا بشپ پادریوں کی ایک جماعت کو گلے میں صلیب لٹکائے ہوئے لندن کے بازاروں میں سے پھرتا ہوا ہائیڈ پارک میں لے گیا۔ وہاں اس نے تقریر کی کہ اس جنگ میں شریک ہونا اور اپنے ملک کو بچانا ہی مذہب ہے۔ پھر اس نے نہایت ہی کمزور طریق پر مسیح کے خطبہ ہی کی ان آیات کی کچھ توضیح بھی کی جو شمولیت جنگ سے روکتی تھی۔" (ینا بیع صفحہ 183)۔ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر لندن کے بشپ یا کسی پادری نے لوگوں کو لڑائی کرنے پر ابھارا تو اپنے آقا کی تعلیم کی صریح

خلاف ورزی کی۔ معترض کو خود اقبال ہے کہ " اس نے نہایت ہی کمزور طریق پر مسیح کے خطبہ " سے استد لال کیا۔ مسیحیت جنگ کو ناجائز قرار دیتی ہے چنانچہ تمام دنیا کی بین الاقوامی مشنری کانفرنس نے جو اپریل 1928ء میں یروشلیم میں منعقد ہوئی تھی جنگ کے متعلق یہ قرار داد شائع کی کہ " چونکہ مسیحیت صلح کے شہزادے کی روح کا اظہار ہے اور عالمگیر مذہب ہونے کی وجہ سے قومی اور نسلی امتیازات کا اس میں دخل نہیں ہے اور چونکہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ جنگ اس روح کے غالب ہونے میں سدِ راہ ہے یہ بین الاقوامی مشنری کانفرنس سب کو دعوت دیتی ہے کہ لگاتار کوشش اور دعا کے ذریعہ تمام روئے زمین کی اقوام کو اس امر پر راغب کریں کہ جنگ کو ترک کرنا ہر ایک قوم کے لائحہ عمل کا جزو ہو جائے اور بین الاقوامی تنازعات پر امن طریقوں سے فیصلہ پائیں اور اس ذہنیت اور روح کا خاتمہ ہوجائے جو جنگ کی اصل اور حقیقی جڑ ہے۔"

ہر شخص اس امر کو تسلیم کریگا کہ انجیل جلیل اور کلمتہ اللہ کے خطبات کی بنا پر کوئی شخص لوگوں کو لڑائی کے لئے ابھار نہیں سکتا لیکن قرآن شریف میں صاف طور پر رسول عربی کو حکم ملتا ہے کہ " مسلمانوں کو لڑائی پر ابھار اور کافروں اور منافقوں پر سختی کر۔" اور ان کو " یہاں تک قتل کر کہ فتنہ یعنی غلبہ کفر جاتا رہے اور تمام دین اللہ کا ہوجائے۔"

(4)

اہلِ اسلام یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان اسلامی جنگوں کا "تعلق حفاظت اور خود اختیاری سے ہے۔ مذہب کی خاطر جنگ کرنا نہ تو اشاعت مذہب کے لئے جائز ہے نہ کسی کو زبردستی مذہب میں داخل کرنے کے لئے۔" (ینا بیع صفحہ 184)۔ مولانا مرتضیٰ احمد خان بھی کہتے ہیں " قرآن حکیم میں جس طرح نماز روزہ حج اور زکواۃ ایسے فرائض اساسی کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں کو جا بجا صاف اور صریح احکام دیئے گئے ہیں اسی طرح حضرت باری تعالیٰ عزاسمہ، نے مسلمانوں کو دین مبین کی حفاظت اور اپنے ناموس جانوں اور اموال کی مدافعت کے لئے جا بجا قتال فی سبیل اللہ کی تاکید کی ہے۔(روزنامہ احسان 31دسمبر 1934ء)۔

لیکن قرآن کے الفاظ اور بالخصوص آیۂ قتال کے الفاظ صاف اور واضح ہیں۔ "جب حرمت کے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ ان کو پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات کی جگہ میں ان کے لئے بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں (یعنی مسلمان ہوجائیں) اور نماز پڑھیں اور زکواۃ دیں تو تم ان کی راہ چھوڑدو (جہاں چاہیں پھریں)"(سورہ توبہ آیت 50 ترجمہ فیض بخش ایجنسی)" اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور آخری دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی شئے کو حرام نہیں جانتے اور دین حق (اسلام) قبول نہیں کرتے تم مسلمان ایسوں سے مقابلہ کرو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ذلیل ہو کر رہیں۔" (توبہ آیت29)۔

اس عذر کے متعلق مرحوم حافظ نذیر احمد دہلوی کے الفاظ غور طلب ہیں اور اس کو عذر لنگ ثابت کرتے ہیں۔ مرحوم اسلامی جنگوں کے دفاعی دستور العمل پر بحث کے دوران میں فرماتے ہیں کہ "پیغمبر صاحب کی زندگی میں مخالفین اسلام کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لڑائیاں بظاہر دو قسم کی تھیں۔ حربِ مدافعت کہ دشمن مسلمانوں پر چڑھ کر آئے اور مسلمانوں نے ان کو مار ہٹایا اور حربِ تغلب کہ مسلمان انتقام کے لئے یا تحفظِ آیندہ کی غرض سے اظہارِ شوکت وجلادت کے لئے دشمنوں پر چڑھ کر گئے۔ مارا، لوٹا، کھسوٹا، باندھا، جکڑا، سالماً غانماً واپس آئے۔ گو بظاہر لڑائی کی دو قسمیں تھیں حرب مدافعت اور حربِ تغلب مگر ازبس کہ حربِ تغلب بھی تحفظ آیندہ کے لئے کی جاتی تھی ہم حرب تغلب کو بھی حربِ مدافعت کی قسم میں داخل سمجھتے ہیں۔" (امہات الامتہ صفحہ 93)۔

(5)

پس قرآنی آیات اور آنحضرت ﷺ کی جنگیں اور عزوات مرحوم خواجہ صاحب اور ان کے ہم خیال اصحاب کےعذر کو نامعقول ثابت کرتے ہیں۔ کہ "اشاعتِ مذہب کی خاطر جنگ کرنا نہ تو جائز ہے۔" اور نہ کسی کو زبردستی مذہب کے اندر رکھنا جائز ہے۔ قرآن احادیث اور اسلامی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ اشاعت اسلام کی خاطر جنگ کرنا اور مسلمانوں کو بذریعہ تلوار حلقہ اسلام میں رکھنا جائز ہے کیونکہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار لاہور نے مارچ 1925ء کی اشاعتوں میں اس مسئلہ پر طویل بحث کرکے یہ ثابت کردیاہے کہ اگر کوئی

شخص اسلام کے دائرہ کو چھوڑنا چاہے تو ازروئے اسلام وہ محروم الارث اور مستوجب قتل ہے ۔ کفار کو بزور سیف اسلام میں داخل کرنا اور جو مسلمان ہوچکے ہیں ان کو بزورِ سیف اسلام کے دائرہ کے اندر رکھنا غیر منصفانہ احکام اور جانبدارانہ رویہ ہے ۔ کسی شخص یا مذہب کو روا نہیں کہ وہ کسی انسان کی ضمیر پر جبر روا رکھے ایسے مذہب کو عالمگیری کا دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ لیکن اسلام اس قسم کا جبر روا رکھتا ہے ۔مرتد اس دنیا میں قتل کا اور آئندہ جہان میں دوزخ کا مستوجب ہے (بقر آیت 214) قرآنی حکم ہے کہ "اگر ایماندار عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ لیکن اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں میں جاملے تو تم کافروں کو کھپا مارو" (سورہ ممتحنہ آیت 11)۔ کوئی مذہب عالمگیر نہیں ہوسکتا جو بنی نوع انسان کے دلوں اور ضمیروں پر جبر روا رکھتا ہے ۔

(6)

رسولِ عربی ﷺ اور آپ کے صحابہ خلفائے راشدین نے ان احکام پر عمل کیا۔ چنانچہ جب رسول عربی ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ " جو شخص اسلام سے مرتد ہوجائے اس کو اسلام کی طرف بلانا۔ اگر وہ توبہ کرے تو قبول کرلینا ورنہ گردن ماردینا ۔ اگر کوئی عورت مرتدہ ہوجائے تو اس کو بھی اسلام کی طرف بلانا ۔ اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ اس کی بھی گردن ماردینا۔" (بخاری)

جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ " جس قوم نے جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑا اس کو خدا نے ذلت میں ڈالا۔ میں نے خلافت کو محض اس واسطے قبول کیا کیونکہ مجھے خوف پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں فتنہ اور فتنہ کے بعد ارتداد (روگردانی) نہ ہوجائے ۔" (تاریخ الخلفا مصنفہ جلال الدین سیوطی صفحہ 44)۔ رسول عربی ﷺ کی وفات کے بعد " اکثر اہل عرب مرتد ہوگئے۔ انہوں نے نماز پڑھنے اور زکواۃ دینے سے انکار کردیا۔ لوگوں میں نفاق پیدا ہوگیا۔ عرب مرتد ہوگئے اور انصار جدا ہوگئے ۔ حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو بھیجتے وقت ہدایت فرمائی کہ مرتدین سے پانچ امور کی نسبت جنگ کرنا اگر کوئی ان میں سے ایک سے بھی انکار کرے تو اس سے ایسا ہی جنگ کرنا کہ وہ پانچوں سے انکاری ہے یعنی لا الہ اللہ اور محمد عبدہ ورسولہ ، نماز پڑھنا زکواۃ دینا اور روزہ رکھنا ہے ۔ خالد وبن ولید روانہ ہوئے ۔ مخالفین میں سے گروہ بنی اسد وغطفا وغیرہ بہت سے قتل ہوئے اور بہت سے قید اور باقی اسلام پر قائم ہوگئے ۔ (تاریخ الخلفا صفحہ 47تا49)جب تک سیف غالب رہی نفاق اور ارتداد مغلوب رہا۔

قرآن گواہ ہے کہ رسول عربی ﷺ اپنی حین حیات میں منافقین کے ہاتھوں نالاں رہے تھے آپ نے ان کو بزورِ سیف مسلمان کیا تھا۔ آپ نے منافقین کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس سے آپ عرب کے مختلف قبائل کو چندے یک جا جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن جونہی آپ کی آنکھ بند ہوئی ۔ مختلف قبائل میں مثل سابق اختلاف اور جنگ برپا ہوگئی ۔ آنحضرت کی وفات کے بعد کی سو سال کی تاریخ کے اوراق ان قبائل کی باہمی عداوتوں اندرونی تفرقوں اور خانہ جنگیوں کے خون سے لال نظر آتے ہیں۔ آپ کی وفات کے پچاس سال کے اندر آپ کے کلمہ گو مسلمانوں نے آپ کے خلفاء حضرت عثمان اور حضرت علی کو شہید کردیا اور آپ کے نواسوں اور ان کی اولاد کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ تاریخ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ اور آنکھیں مل کر پوچھتا ہے کہ کیا یہ وہی اسلام ہے جس نے ساتویں صدی میں اہل عرب کو یک جا کردیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پچاس سال کے اندر اندر اس کی ترقی مسدود ہوگئی؟اس کا جواب یہ ہے کہ ان قبائل کا اسلام صرف سطحی اسلام تھا کیونکہ وہ بزورِ شمشیر مسلمان کئے گئے تھے۔

(7)

مرزائے قادیان نے اسلام میں اصلاح کرنی چاہی تاکہ نئی روشنی کے لوگ اسلامی اصول کو مان سکیں۔اس مقصد کو زیر نظر رکھ کر اس نے جہاد کے عدم جواز کا فتویٰ دیدیا اور کہا ازروئے قرآن جہاد بالسیف جائز نہیں ۔ چنانچہ اس کا ایک شعر ہے ۔

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

اس پر غیر مرزائی کہتے ہیں کہ "مرزا صاحب کو یہ حق کس طرح حاصل ہوگیا کہ خدا نے جس بات کو حلال کیا ہے اسے حرام کردیں۔ اگر ان کو ایسا ہی کرنا تھا تو ان کو چاہئے تھا کہ قرآن میں کتر بیونت کرنے کی بجائے کوئی جعلی قرآن بنالیتے۔ قرآن میں بے سروپا تاویلات کو کوئی

گنجائش نہیں۔" (زمیندار 6 جولائی 1935ء)"قرآن پاک کی تعلیم پر بے باکانہ خطِ نسخ کھینچنا کسی مسلمان اور حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے سچے متبع کا کام نہیں ہوسکتا۔ قرآن کے ایک حصہ کا انکار جیسا کہ جہاد وقتال کے بارہ میں کیا گیا ہے کلام ربانی کا انکار یعنی اسلام کا انکار ہے" (احسان 31 دسمبر 1934ء)۔

مرزائے قادیان کے مرید یہی رونا روتے ہیں کہ "تبلیغ دین کے لئے تلوار کی ضرورت مسلمانوں کے دماغوں پر مسلط رہی۔" (پیغام صلح 23 جون 1928ء) اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔" چونکہ مسلمان قرآن وحدیث دونو کومانتے ہیں۔ اس لئے ان کا عقیدہ ہے الجہاد فی ماض الی یوم القیامۃ یعنی جہاد قیامت تک جاری رہیگا۔ اہل حدیث اس حدیث کو بھی ظاہر کرتے اور مانتے ہیں جس میں ارشاد ہے کہ اسلام کی بلندی جہاد میں ہے۔ اہل حدیث قرآن مجید کی اس آیت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جس میں ارشاد ہے کہ جولوگ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا کریں۔ مگر اہلِ حدیث اس جہاد کے لئے ضروری جانتے ہیں کہ امام وقت (امیر) کے حکم کے ماتحت ہو جیسا ارشاد ہے کہ امیر وقت کے حکم کے ماتحت جہاد کیا جائے۔ چونکہ مسئلہ جہاد کے متعلق آیات اور احادیث بکثرت وارد ہیں اس لئے جو آج کل کاریفامر اس مقدس فعل کو منسوخ قرار دیتا ہے اہل حدیث اس کو خودغرض اور خوشامدی جانتے ہیں" (اہل حدیث امرتسر 3 اگست 1928ء)۔

(8)

اگر ہم اسلامی تاریخ پر ایک سطحی نظر ڈالیں تو اسلام کے ان ریفرمروں کے دعووں کا پول کھل جاتا ہے۔ سورہ توبہ آیت 29 (جس کا اقتباس اوپر کیا گیا ہے) کی بنا پر عیسائیوں سے نہ صرف جزیہ وصول کیا جاتا تھا بلکہ ان پر ایسی شرائط عائد کی جاتی تھیں جن سے کھلم کھلی بے عزتی ہو مثلاً **1***جزیہ کی شرائط میں ذیل کے امور شامل تھے: (1) وہ پاک کتاب (قرآن) پر حملہ نہ کریں اور نہ اس کو محرف گردانیں(2)وہ رسول عربی کو کذاب نہ کہیں اور نہ اسکی طرف حقارت سے اشارہ کریں(3)دین اسلام پر کوئی حرف نہ لگائیں اور نہ اس کے خلاف تقریریں کریں(4) کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح یا زنا نہ کریں(5) کسی مسلمان کو دین اسلام سے نہ پھیریں اور نہ ملسمانوں کواور نہ ان کے مقبوضات کو نقصان پہنچائیں۔ (6)وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد نہ کریں اور نہ جاسوسوں کو پناہ دیں۔ ان فرائض کے علاوہ چھ اور شرائط تھیں کہ :(1)وہ خاص قسم کے کپڑے پہنیں جن سے ان کی امتیاز ہوجائے اور زنار بھی پہنیں۔ (2)ان کی عمارتیں مسلمانوں کی عمارتوں سے نیچی ہوں (3)وہ ناقوس نہ بجائیں، نہ اپنی کتب مقدسہ پڑھیں اور نہ سیدنا مسیح کے دعووں کو پیش کریں (4)اپنے مردوں کو بغیر نوحہ کئے خاموشی سے دفن کریں۔(5) وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں بلکہ خچروں اور گدھوں کو سواری کے لئے استعمال کریں(6)وہ علانیہ شراب خواری اور خنازیر سے پرہیز کریں اور لوگوں کو علانیہ صلیب نہ دکھائیں۔موخرالذکر چھ شرائط کا عہد ناموں میں ہونا لازمی نہ تھا لیکن اگر وہ عہد ناموں میں درج ہوتیں تو وہ پہلی چھ شرائط کی طرح لازمی قرار دی جاتیں۔جو عہد نامے عیسائیوں کے ساتھ کئے گئے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ فاتح مسلمان جزیہ اور تلوار پیش کرتے تھے۔

1*The Eclipse of Christianity in Asia ,by Browne,p.46-47

چنانچہ ابوبکر خالد بن ولید کو کہتا ہے کہ "ابوبکر صدیق نے مجھے حکم دیا کہ جب میں یمامہ سے واپس آؤں تو عراق کے عرب اور غیر عرب کے پاس جاؤں۔ان کو خدا اور رسول کی طرف دعوت دوں بہشت کی خوشخبری سناؤں اور جہنم سے ڈراؤں۔ اگر وہ مان لیں تو ان کو وہی حقوق حاصل ہونگے جو مسلمان کو حاصل ہیں۔ جب میں حیرا میں آیا تو وہاں کے سر کردہ اشخاص میرے پاس حاضر ہوئے۔ میں نے ان کو خدا اور رسول کی دعوت دی۔ جب انہوں نے ماننے سے انکار کیا میں نے ان کے سامنے تلوار اور جزیہ پیش کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں طاقت نہیں کہ آپ کے ساتھ جنگ کریں۔ آپ ہمارے ساتھ جزیہ کی ان شرائط پر صلح کرلیں جو دیگر اہل کتاب نے مان لی ہیں **1***۔ حضرت ابوبکر کا قول ہے کہ " جس قوم نے جہاد چھوڑ دیا وہ عذاب میں پھنس گئی۔" (طبرانی)۔ مسوپوتامیہ کے شہروں کےعیسائیوں کے ساتھ علاوہ دیگر شرائط کے یہ شرطیں تھیں کہ وہ نئے گرجے اور عبادت خانے تعمیر نہیں کرینگے۔ گرجاگھروں کے گھنٹے نہیں بجائینگے۔ عید قیامت کے بعد سوموار کے تہوار کو علانیہ نہیں منائینگے اور نہ صلیب کو علانیہ دکھائینگے **2*** بنو تغلب کے عیسایئوں کے ساتھ یہ شرط کی گئی کہ وہ اپنے بچوں کو بپتسمہ

دلوا کر مسیحیت کے دائرہ میں داخل نہیں کریں گے **3***حضرت عمر بن خطاب نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اہل کتاب کو عرب سے نکال دیا کیونکہ انہوں نے سنا تھا کہ رسول اللہ نے کہا ہے کہ عرب میں دو مذاہب یکجا نہیں رہ سکتے ۔ اگرچہ نجران کے مسیحیوں کے ساتھ حضرت صاحب نے عہد کیا تھا تاہم حضرت عمر نے ان کو عرب سے بدر کردیا۔**4***۔

1* Abid p.31 2* Ibid p.32 3* Ibid p.33 4* Ibid p.34-35

خلفاء نے نہ صرف نئے گرجا گھروں کو تعمیر نہ ہونے دیا۔ بلکہ انہوں نے ان گرجاؤں کو جو موجود تھے مسجدوں میں تبدیل کردیا اور بے شمار گرجا گھروں کو شہید کردیا۔ چنانچہ خلیفہ حاکم نے چالیس ہزار گرجاؤں اور خانقاہوں کو مسمار کردیا۔**1***۔ خلیفہ عمر ثانی نے تو یہاں تک حکم دے دیا کہ عیسائی ریشمی لباس زیب تن نہ کریں۔ اپنی پیشانی پر سے بال کٹوائیں ۔ سڑک کے ایک کنارے ہو کر چلا کریں۔ خلیفہ متوکل نے تمام عیسائیوں کو گلو بند باندھنے کا حکم دیا(تاریخ الخلفا صفحہ 233) یہ بھی حکم دیا کہ ان کی سواری کی کاٹھی لکڑی کی ہو۔ ان کے عبادت خانے مسمار کردئے جائیں ۔ ان کے گھروں میں سے دس فیصدی مسمار کردئے جائیں اور ان کی جگہ ایک مسجد تعمیر کردی جائے ۔ ان کے گھروں کی چوکھٹوں پر شیاطین کی صورتیں لکڑی کی بنا کر لٹکائی جائیں۔ ان کو کوئی سرکاری عہدہ نہ دیا جائے جس سے وہ مسلمانوں پر حکم چلاسکیں۔ ان کے لڑکے اسلامی درس گاہوں میں داخل نہ کئے جائیں اور نہ کوئی مسلمان کسی عیسائی لڑکے کو پڑھائے۔ کھجور والے اتوار کے روز صلیب کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ عیسائیوں کی قبریں کھود کر زمین کے ساتھ ہموار کی جائیں تاکہ وہ مسلمانوں کی قبروں کے مشابہ نہ ہوں۔ حکم ہوا کہ اسلامی عدالتوں میں کسی عیسائی کی گواہی قبول نہ کی جائے ۔ شاید ناظرین یہ خیال کریں کہ ہم نے خلفاء میں سے ایسے لوگوں کے کارنامے بتلائے ہیں جو بدنام کنندہ نکو مانے چند تھے بلکہ ہم نے صرف ان خلفاء کی نسبت لکھا ہے جو اسلامی نقطہ ء نگاہ سے قابل قدر ہستیاں ہیں۔

1* Ibid p.60

ہلاکو خاں کے مسلمان جانشینوں نے گرجاؤں کو شہید کردیا۔ پادریوں کو طرح طرح کے عذاب دے کر قتل کردیا۔ خانقاہوں کو برباد کردیا۔ ہزاروں عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا۔ عیسائیوں کو حکم دیا کہ مسلمان ہوجائیں۔ خربندہ خان نے ان عیسائیوں کے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اعضائے تناسل کو کاٹ دیا ان کی آنکھیں نکلوادیں۔ تیمور لنگ کے زمانہ میں ایذا رسانی کا یہ حال تھا کہ عیسائی خال خال نظر آتے تھے۔ بغداد ،موصل وغیرہ شہر جن میں ہزاروں عیسائی آباد تھے ان سے یکسر خالی ہوگئے ۔ مصر میں بھی عیسائیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ مملوک سلطان الناصر محمد نے گرجاؤں کو شہید کردیا اور شاہی فرمان جاری کردیا کہ جو عیسائی جہاں ملے قتل کردیا جائے اور اس کا مال واسباب چھین لیا جائے ۔**1***۔

ہم چند ممالک کی مثالوں سے واضح کرتے ہیں**2***۔ کہ تلوار کا اسلام کی اشاعت کے ساتھ گہرا تعلق ہے ۔ عبداللہ بن قیس نے 674ء میں کریٹ **(Crete)** پر حملہ کیا اور اس کے بعد 825ء تک اسلامی افواج گاہے گاہے لوٹ مار کرتی تھیں لیکن اس سال انہوں نے جزیرہ کو فتح کرلیا اور باشندوں کو مسلمان بنالیا۔ 921ء میں عیسائیوں نے اس جزیرہ کو فتح کیا اور اس کے بعد کی سات صدیوں تک وہاں کے باشندے عیسائی رہے ۔ 1645ء میں ترکوں نے اس کو دوبارہ فتح کرلیا اور باشندوں کو مسلمان بنالیا۔ 1920ء میں یہ جزیرہ یونان کے قبضہ میں آگیا اور اب اس جزیرہ کی ایک بڑی اکثریت عیسائیوں کی ہے۔

1* Ibid Chap:2
2* Sociology of Islam,vol by Reuben Levy,Lecturer in Persian in Cambrige

اسی طرح جزیرہ کیپرس **(Cyprus)** پر مسلمانوں نے 647ء سے 966ء تک حملے کرکے فتح کرلیا اور باشندوں کو مسلمان بنالیا۔ 1878ء میں سلطان عبدالحمید ثانی نے یہ جزیرہ انگلستان کے سپرد کردیا اور اب اس جزیرہ میں مسلمانوں کی تعداد قلیل ہے ۔ اسی طرح سسلی میں مصر کے مسلمان نے 652ء سے پے در پے حملے کئے اور 962ء میں اس پر قابض ہوئے اور تمام باشندوں کو مسلمان بنالیا۔ جب 1060ء میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اس کے باشندوں نے پھر اپنا آبائی مذہب اختیار کرلیا۔ یہی حال ہسپانیہ کا ہوا۔ جب وہ خلفاء کے زیر نگین تھا تو لوگ مسلمان ہوگئے تھے لیکن جب 1610ء میں مسلمان فاتحین وہاں سے نکال دئیے گئے تو وہاں کے باشندوں نے اپنا قدیم مذہب پھر اختیار کرلیا اور اب وہاں مسلمانوں کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔

(9)

جو اصحاب اس غلطی میں مبتلاہیں کہ اسلام نے دنیا میں اخوت ومساوات کا رشتہ قائم اور مضبوط کردیا ہے ہم ان کی توجہ سید مقبول احمد صاحب بی ۔ اے کی کتاب "فلسفہ مذہب " کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ سید صاحب لکھتے ہیں کہ " ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کہ اسلامی اخوت دنیا کے لئے باعثِ امن ہے ضروری ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے خود اپنی جداگانہ قومیت دنیا میں بنالی ہے جس کے صرف یہ معنی ہیں کہ قوموں کے شمار میں ایک عجیب معجون مرکب قوم کا اضافہ ہوگیا ہے ۔ جس کا تعلق دوسری غیر مسلم قوموں سے بالکل اسی طرح ہے جس طرح دوسری مخالف اور مختلف قوموں میں ۔ اس لئے جب تک وہ خیر القرون جس کی امید صرف ظہور امام مہدی کےوقت کی جاسکتی ہے یعنی جب تک دنیا میں صرف ایک مذہب اسلام پھیل جائیگا اور تمام مذاہب مفقود یا اسلام میں جذب ہوجائینگے ہم سے دور ہے اس وقت تک اسلام کے وجود سے دنیا کے امن میں کسی اضافہ کی امید رکھنا عبث ہے ------ اسلام نے بجائے اس کے کہ قومیت کی لعنت کو کم کرے ایک اور قوم کا اضافہ کرکے ان کو بڑھادیا ہے ۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ افتراق جو ایک قوم میں پہلے سے نہ تھا اور نہ ہونا چاہیئے اس قوم میں اسلام پھیلنے پر پیدا ہوگیا یعنی وہ ایک قوم دو قوموں میں جلد تقسیم ہوجاتی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ وہی معاشرت رکھتے ہیں جو متضاد قوموں میں ہوتی ہے ----- خود ہمارے ملک کو دیکھو مسلمانانِ ہند کو اپنی قوم ہند کی ترقی سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ بحیثیت مجموعی ایک جداگانہ قوم ہے جن کی زبان جدا ، معاشرت جدا ، روایات جدا ، وہ اپنے ملکی لٹریچر سے نابلد ۔ ہندوستان کی ہی ترقی سے متنفر ۔ اپنے ملکی آباو اجداد کی اولاد ہونے سے عار ۔ اپنے سرزمین کے آثار عظیم سے بے خبرو معرا ۔ ان کو اگر لے دے کر کچھ دیا ہے تو ہارون رشید اور تیمور کی داستان یاد ہے ۔ اگر ان کو کسی کے انتساب سے فخر ہے تو وہ عرب و عجم ہے ۔" (رسالہ نگار مئی 1928ء)

فصل چہارم

اصول مساوات

ہم نے اپنے رسالہ "مسیحیت کی عالمگیر ی" کے بابِ دوم کی فصل اوّل میں یہ ثابت کردیاہے کہ انجیل جلیل کا ایک ایک ورق مساوات کے سنہرے اصول سے مزین ہے ۔ انجیل کے عالمگیر اصولِ محبت اخوت ومساوات سے کوئی شخص یا طبقہ مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ انجیلی اصول مساوات نے ہر طرح کی تفریق اور درجہ بندی کو مٹادیا۔ غلام اور آزاد ۔ غریب اور دولتمند، اعلیٰ اور ادنیٰ ،عالم اور جاہل ، مرد اور عورت کا امتیاز غرضیکہ ہر قسم کے امتیازات اس دنیا سے رخصت ہوگئے (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی رکوع 25،22،18،7،5۔ بہ مطابق حضرت مرقس رکوع 12 بہ مطابق حضرت لوقا رکوع 6، 10 بہ مطابق حضرت یوحنا رکوع 13و15 ، خطِ اہل رومیوں رکوع 2و5و6و8و12و13۔ خطِ اول اہل کرنتھیوں رکوع 13 خطِ دوم اہل کرنتھیوں رکوع 5و6 خطِ اہل افسیوں رکوع 4و5۔ خطِ اہل گلتیوں رکوع 4و5۔ خطِ اہل کلسیوں رکوع 3 ، خطِ اول یوحنا رکوع 2و3و4وغیرہ وغیرہ)۔

(2)

غلامی اور اصول مساوات

لیکن اسلام میں مساوات کےاصول نہیں ملتے ۔ غلامی اور درجہ بندی اصول مساوات کے منافی ہیں۔ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے غلامی کی قبیح رسم کو قدیم عرب سے لیا۔ گو قرآن نے حکم دیا کہ غلاموں سے سختی نہ کی جائے ۔ (نساء آیت 40) اور آپ نے ان کو آزاد کرنا کار ثواب قرار دے دیا لیکن قرآن وحدیث میں ہم کو کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے ظاہر ہو کہ ان کا منشا یہ ہے کہ غلامی کی رسم صفحہ ہستی سے نابود ہوجائے ۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں دستور تھا اسلام میں بھی غلام خریدے اور تحفہ کے طور پر دیئے جاسکتے ہیں اور ورثہ میں مل سکتے ہیں۔ ہاں آزاد

مسلمان غلام نہیں بنایا جاسکتا ۔ لیکن کافر جو جنگ میں ہاتھ آجائیں وہ غلام کئے جاسکتے ہیں۔ شریعت اسلامی کے مطابق غلام جائداد کے طور پر شمار کئے جاتے ہیں اور ان کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے ۔ ان کا درجہ گھر کے دیگر حیوانوں کے برابر قرار دیا گیا ہے ۔ مالک اپنے غلاموں اور باندیوں کو فروخت کرسکتا ہے ۔ ان کو رہن کرسکتا ہے ۔ ان سے کام کراکے اجرت وصول کرسکتا ہے اور دیگر ذریعہ سے ان کی آمدنی حاصل کرسکتا ہے ۔ غلام کسی شئے کا مالک نہیں۔ وہ جائداد کا وارث نہیں۔ غلام اور باندی کا درجہ جسمانی اور اخلاقی طور سے دیگر انسانوں سے کم ہے ۔ عدالت میں اس کی شہادت قابل قبول نہیں ۔ اگر کوئی آزاد مسلمان کسی غلام کو قتل کردے تو وہ بازار کے نرخ کے مطابق مقتول غلام کی قیمت ادا کردے ۔ حنفی اور شافعی مذاہب کے مطابق غلام دو سے زیادہ نکاح نہیں کرسکتا خواہ وہ آزاد بھی کیا گیا ہو۔ اگر غلام شادی کرنا چاہے تو وہ مالک کو رضامند ہونے پر مجبور نہیں کرسکتا 1*۔ غلامی کی قبیح رسم تمام اسلامی ممالک میں مروج رہی ہے یا موجود ہے ۔ آج کے روز سعودی عرب کے قطعہ میں جو خالص اسلامی ملک ہے ۔ غلامی کی رسم قانونی طور پر نافذ ہے 2*۔

*1 Sociology of Islam. Vol.1

*2 Manchester Guardian Weekly, May 31st .1935

(3)

درجہ بندی اور اصولِ مساوات

اگرچہ قرآن کی نظر میں سب مسلمان برابر ہیں اور لکھا ہے کہ " تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے ۔" (حجرات آیت 140)۔ تاہم ابتدا ہی سے اسلامی سوسائٹی میں اس اصول کو نظر انداز کردیا گیا اور درجہ بندی موجود ہوگئی۔ رسول عربی ﷺ کی دنیاوی ترقی اور کامیابی کا یہ نتیجہ ہوا کہ نسل کے فخر کا خاتمہ ہونے کی بجائے قریش کے قبائل کی قدر ومنزلت بڑھ گئی اور اس قبیلہ کا شخص دیگر تمام قبائل کے شرفاء سے زیادہ شریف النسب خیال کیا جاتا تھا۔ جب اسلام غیر عرب ممالک میں پھیلا تو عرب اپنے آپ کو غیر عرب سے برتر خیال کرنے لگے ۔ رسول عربی ﷺ کی وفات کے تین صدیاں بعد موالی کی جماعت باقاعدہ قائم ہوگئی اور لوگ اپنے ناموں کو ترک کرکے عربی نام رکھنے لگ گئے اور اپنے لئے عربی نسب نامے وضع کرکے عرب کہلانے لگے ۔ اس درجہ بندی کے سوال نے شادی بیاہ کے معاملات میں اہم صورت اختیار کرلی ۔ حضرت محمد کی وفات کے ڈیڑھ سو سال تک کسی موالی کو یہ جرات نہ تھی کہ کسی خالص عربی نژاد لڑکی سے بیاہ کی درخواست کرے ۔ حنفی مذہب عرب اور غیر عرب میں مساوات کے اصول کا قائل نہیں 1*۔ شافعی مذہب کا بھی یہی وطیرہ ہے ۔ مہاجرین اور انصار کے خاندانوں کی نسلیں اور بنو ہاشم کے خاندان (جو آنحضرت کے قریبی رشتہ دار تھے) کی نسلیں اپنے آپ کو دیگر قبائل سے بلند وبالا خیال کرتی تھیں ۔ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں ان کے اس دعوی کو بلاچون وچرا تسلیم کیا گیا حالانکہ وہ خلفاء کے وظیفہ خوار ہوتے تھے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ

گر نسب را جزملت کردہ   رخنہ در کارِ اخوت کردہ

*1 Levy,Sociology of Islam. Vol.1

(4)

طبقہء نسواں اور اصولِ مساوات

عورات کے متعلق قرآنی احکام مرد اور عورت کی مساوات کے اصول کے خلاف ہیں۔ اور اسلامی ممالک میں عورتوں کی پست حالت کے ذمہ وار ہیں۔ اسلام نے عورتوں کے لئے ایک خاص حد مقرر کردی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتیں جس کا نتیجہ عورات کی جہالت توہم پرستی اور قوم کی تنزلی ہے کیونکہ قوم کی ترقی بیش تر اس کی عورات پر منحصر ہوتی ہے ۔

قرآن میں عورتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ پردہ کیا کریں (احزاب 33و54و59وغیرہ اس حکم کے خلاف دورِ حاضرہ کے اسلامی ممالک کے مسلمان بغاوت کرتے ہیں۔ مثلاً اخبار الجریدہ میں ایک مسلمان توفیق دائب کہتا ہے " کیا تم پردہ کے اس لئے حامی ہو کہ قرآن میں اس کا حکم ہے ۔ اگر یہ بات ہے تو تم کیوں ایک حکم کو مانتے ہو اور دوسروں کو طاق نسیان پر رکھ دیتے ہو۔ تم کیوں شرابی اور بے نمازی کو دُرّے نہیں لگاتے ۔ تم چور کے ہاتھ کیوں نہیں کاٹتے اور زنا کاروں کو سنگسار کیوں نہیں کرتے ۔"

مصری عالم منصور فہمی پردے کے خلاف ایک مدلل مقالہ لکھ کر کہتا ہے کہ " پردہ کی رسم رسول اللہ کے زمانہ سے پہلے رائج نہ تھی۔"

صوبہ مدراس کے مجسٹریٹ محی الدین صاحب کہتے ہیں " ہم کو اس بات کا فخر ہے کہ قرآن میں عورتوں کا درجہ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اعلیٰ اور بالا ہے ۔ اگر یہ درست ہے تو ہم کیوں ان کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند رکھتے ہیں۔ ہم اپنی تعداد کے نصف حصہ کو قید کرکے رکھتے ہیں اور پھر اپنی قسمت پر روتے ہیں۔" کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ مسز حسین صاحبہ نے بنگال ویمن ایجوکیشنل کانفرنس میں ان اسلامی پابندیوں کا ذکر کرکے مسلمانوں کی غفلت شعاری لاپرواہی اور مایوس کن سلوک پر اظہار افسوس کیا۔ اس خاتون نے پردہ کو زہریلی گیس کے نام سے موسوم کیا اور اکہا " ہماری بہنیں پردہ کے اندر پردہ گیس سے مررہی ہیں۔ اسلام نے دختر کشی کا خاتمہ کیا تھا لیکن یہ خیال نہیں کیاجاتا کہ عورتوں کے دل اور دماغ کو مارا جارہا ہے ۔"

ہندوستان میں پردے کے خلاف ہر طرف سے صدائے احتجاج اس قدر بلند ہورہی ہے کہ مرحوم شبلی لکھتے ہیں" یورپ کے عامیانہ تقلید نے ملک میں جونئے مباحث پیدا کردئے ہیں ان میں ایک پردہ کا مسئلہ بھی ہے ۔ دعویٰ کیاجاتا ہے کہ خود مذہب اسلام میں پردہ کا حکم نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرونِ اولیٰ میں پردہ کا رواج نہ تھا۔---- اس موقعہ پر عبرت کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہوسکتے تھے ۔ علمائے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ ۔ علماء کا یہ حال ہے کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان میں بولنا نہیں آتا۔ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے مبلغ علم کا نئے تعلیم یافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف مولوی امیر علی کی اس عبارت سے اندازہ ہوسکتا ہے جو ابھی اوپر گذر چکی ۔ لیکن بد قسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہے اور چونکہ غیر قوموں کے کانوں میں صرف اسی گروہ کی آواز پہنچتی ہے اس لئے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آیندہ زمانہ میں اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائیگی ۔" (مقالات شبلی صفحہ 105)۔

ایامِ جاہلیت میں عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اسلام نے اس حالت کو کسی قدر بہتر بنادیا۔ لیکن ہم کو ایامِ جاہلیت اور اسلام کا موازنہ اور مقابلہ کرنا مقصود نہیں بلکہ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا اسلام میں طبقہ نسواں کی حیثیت ایسی ہے کہ وہ بمقابلہ مسیحیت ایک عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت رکھ سکے ؟

ایامِ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ بیاہ کے لئے عورتیں خریدی جاتی تھیں **1***۔ زرمہر دلہن کو دیا جاتا تھا اور عورت شوہر کا مال متصور ہوتی تھی۔ اسلام میں یہ قانون بحال رکھا گیا۔ چنانچہ قرآن میں وارد ہے کہ "عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔" (نساء آیت 3)۔

اس زرمہر کو ادا کرنے کی وجہ سے عورتیں آدمیوں کی نسبت کم درجہ خیال کی جاتی ہیں چنانچہ قرآن میں ہے کہ " مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مردوں نے عورتوں پر اپنا مال (زرمہر اور نان ونفقہ دیکھو ترجمہ نذیر احمد) خرچ کیا ہے ۔ پس نیک بخت عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں۔" (نساء آیت 38)۔ اس آیت پر ڈاکٹر عبدالحمید صاحب اپنی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں" ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو دوسرے شخص کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کے لئے یہ حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے ۔اسلام میں سجدہ کرنا انتہا درجہ کی ذلت اور دوسرے کی اعلیٰ درجہ کی عظمت ظاہر کرنا ہے اور اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں سے اس کے آگے جھک جانا ہوتا ہے تو گویا اس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ عورت پر اس درجہ کی تابعداری اور خدمت گذاری اپنے خاوند کے لئے واجب ہے جو دوسرے کسی شخص کے لئے واجب نہیں۔"(صفحہ 367)۔

1* Sociology of Islam.vol.1

پس قرآن کے مطابق عورتیں پست درجہ کی ہیں چنانچہ صاف لکھا ہے کہ " مردوں کا عورتوں کے اوپر درجہ ہے ۔" (بقر آیت 228)۔ بت پرستی کے خلاف قرآن یہ دلیل لاتا ہے ۔" بھلا تم دیکھو تولات وعزیٰ اور منات اور تیسری دیوی منات ۔ یہ تو بے انصافی کی تقسیم ہے کہ

تمہارے لئے لڑکے ہوں اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہوں۔" (سورہ نجم آیت 21)اس دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ نے لڑکوں کو لڑکیوں پر فضیلت بخشی ہے ۔ لڑکیاں کم درجہ کی ہیں تم اللہ کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے تجویز کرتے ہو۔ یہ بڑی بے انصافی ہے ۔ پھر لکھا ہے" جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے نام رکھتے ہیں۔" (نجم آیت 29)۔
ورثہ کے معاملہ میں " مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔" (نساء آیت 12)۔
شہادت کے معاملہ میں دوعورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے ۔ (بقر آیت 282)۔

قرآن میں کہیں ان شرائط کا ذکر نہیں جن کے ماتحت مرد عورت کو طلاق دے جس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کو اختیار کلی حاصل ہے کہ عورت کو معقول اور نامعقول وجوہ کی بنا پر طلاق دیدے۔ (سورہ بقر)لیکن کسی عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے شوہر کو معقول بنا پر بھی طلاق دے سکے۔

قرآن شوہر کو اجازت دیتا ہے کہ اپنی بیوی کو مارے پیٹے۔ چنانچہ لکھا ہے " جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بدماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصحیت کرو اور ان کو ان کی خواب گاہوں میں اکیلے چھوڑ دو اور ان کو پیٹو۔" (نساء آیت 38)۔ لیکن اگر عورتیں اپنے مردوں کی بدخوئی سے لرزاں اور ترساں ہوں تو وہ غریب کچھ نہیں کرسکتیں۔
زنا کی سزا یہ ثابت کرتی ہے **1*** کہ منکوحہ عورت اپنے خاوند کا مال ہے ۔ چنانچہ اگر کوئی منکوحہ عورت زناکاری کی مرتکب ہو توزانی اور زانیہ کی سزا سنگساری ہے لیکن اگر عورت نے بیاہ نہ کیا ہو تو اس کی سزا سو درے ہیں۔ اس تمیز کی وجہ یہ ہے کہ منکوحہ عورت اپنے خاوند کا مال شمار کی جاتی ہے لیکن کنواری عورت کسی کا مال نہیں ہوتی۔
عورتیں نہ صرف مردوں سے کم درجہ رکھتی ہیں بلکہ وہ مردوں کی آلہ شہوت ہیں۔ چنانچہ قران میں ہے کہ " تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں سو تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔" (بقر آیت 223)۔

ایام جاہلیت میں بیاہ کا ایک دستور **2*** یہ تھا کہ مہر دے کر بیاہ لینے کی بجائے متعہ کرلیتے تھے ۔ اس کا مقصد خاندان کا قیام اور بچوں کی پیدائش اور پرورش نہ تھی۔ بلکہ یہ تھا کہ جب آدمی اپنے گھر سے باہر جنگ کے لئے یا کسی اور مطلب کے لئے جائے تو کسی عورت کے وسیلے مقرری ایام کے لئے اپنی نفسانی خواہشات کی آگ کو فرو کرلے اور ایسا نکاح اور مرد اور عورت دونو کی رضا مندی پر موقوف ہوتا تھا اور اس میں کسی درمیانی یا ولی یا عورت کے کسی رشتہ دار کی ضرورت نہ ہوتی تھی ۔ مقررہ ایام کے بعد اجرت پانے پر عورت کا مرد سے کسی قسم کا تعلق نہ رہتا ۔ اس قسم کا بیاہ قرآن میں بھی جائز قرار دیا گیا ہے ۔ چنانچہ لکھا ہے " وہ سب عورتیں تم کو حلال ہیں جن کو تم مال دے کر طلب کرو۔ ان عورتوں میں سے جس سے تم نے خط اٹھایا ہے ان کی مقررہ اجرت دے دو" (نساء آیت 28)۔

Sociology of Islam,vol.1*1
Ibidvol.1*2

ضربت حیدریہ میں قاطع دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ آیت متعہ پر نص ہے ۔ اس قسم کے نکاح اور زناکاری میں اتنا کم فرق ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے اس نکاح کو حرام قرار دے دیا تھا۔ لیکن جس طرح تفسیر ثعلبی میں منقول ہے کہ " عمران بن حصین کہتا ہے کہ آیت متعہ کتاب اللہ میں نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی دوسری آیت نازل نہیں ہوئی جس نے اس آیت کو منسوخ کیا ہو" پس قرآن میں متعہ کی ممانعت کا ذکر نہیں۔ لیکن متعہ کی اجازت کا ذکر ہے ۔ اگر قرآن میں متعہ کی نسبت صریح آیت وارد نہ ہوتی تو عبداللہ بن مسعود سا قرآن دان متعہ پر کیونکر اصرار کرسکتا تھا؟ اگر آنحضرت نے اپنی حین حیات میں متعہ کو حرام کیا ہوتا توخلیفہ اول کے عہد میں وہ کس طرح حلال ہوگیا؟ خلیفہ عمر نے اپنی خلافت کے نصف میں متعہ کو بند کیا۔ خلیفہ ماموں نے متعہ کو دوبارہ جاری کیا لیکن چونکہ رائے عامہ اس قسم کے نکاح کے خلاف تھی اس نے اپنے حکم کو واپس لے لیا۔ اہل سنت متعہ کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن اس کو حرام ٹھہرانا قرآن اور تاریخ کا انکار کرنا ہے ۔

(6)

قرآن نے عورات کی حیثیت کو یہاں تک پست کردیا ہے کہ بہشت میں بھی ان جسمانی جذبات کوروا رکھا ہے جو اس دنیا میں مردود اور مطعون شمار کئے جاتے ہیں۔ اہل جنت کو" ستھری عورتیں " ملینگی (بقر آیت 23۔ آل عمران 13 نساء 60)"گورے رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں جیسے چھپے ہوئے موتی۔"(دخان 54، طور 20، واقعہ 22)وہ "خیموں میں رکی بیٹھی ہیں اور ان سے پہلے کوئی آدمی اور جن ان سے ہم بستر نہیں ہوا۔ سبز چاندیوں اور قیمتی قالینوں پر تکیہ لگائے بیٹھی ہیں۔" (رحمٰن 72 تا 76)وہ فراخ چشم والی نیچی نگاہ والی ہم عمر عورتیں ہونگی گویا وہ چھپے ہوئے انڈے ہیں۔" (صافات 47 ص 51)۔ " ان عورتوں کو ہم نے (خدا نے) ایک اٹھان پر اٹھایا ہے۔ پھر ہم نے ان کو کنواریاں بنایا۔ شوہروں کی پیاری ہم عمر بنایا۔" (واقعہ 32 تا 37)اس جنت میں ان حوروں کے علاوہ غلمان بھی موجود ہیں۔" آس پاس جوان لڑکے پھرتے ہیں گویا وہ چھپے ہوئے موتی ہیں "(طور 24،واقعہ 17) اس بہشت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کی نہریں بہتی ہیں (محمد 17) وہاں تخت پیالے چاندنیاں ،قالین فرش وغیرہ سب مہیا ہیں (حجر 47۔واقعہ 15 و33 ۔دہر 12 تا 22۔ غاشیہ 10 تا 16)وہاں میوے اور پھل ہیں (بقر 23۔ یسین 57 ۔صافات 41 وغیرہ) خوشے لٹکتے ہیں (رحمٰن 44وغیرہ) وہاں سفید شراب اور انواع واقسام کے شربتوں کے پیالوں کا دور چلیگا۔ (صافات 44 تا 54۔ طور 20 تا 23 ۔ واقعہ 17 تا 19)اہلِ جنت کو سونے چاندی کے کنگن۔ ریشمی لباس اور موتی پہنائے جائینگے۔(کھف 20 حج 23۔فاطر 30۔ دخان 53) ان کو پرندوں کا گوشت جس قسم کا وہ چاہینگے ملیگا۔(طور 22۔ واقعہ 21)غرضیکہ قرآن کے مطابق بہشت ایک عشرت کدہ ہے جس میں ہر قسم کی نفسانی خواہشات پوری کی جاتی ہیں۔

چہار چیز کہ غم مے برد کدام چہار؟
شراب وسبزہ وآبِ رواں وروئے نگار

قرآنی بہشت میں یہ سب اور بہت سی دوسری عیش وعشرت کی چیزیں موجود ہیں۔ اس کی وجہ مولانا نیاز فتح پوری یہ بتاتے ہیں کہ " عرب کے لوگ عورت، شہد، دودھ، سونا، چاندی، جواہرات وغیرہ پر جان دیتے تھے۔ان کے نزدیک ان اشیاء سے زیادہ کوئی چیز محبوب تھی ہی نہیں اس لئے اگر ان کی ترغیب کے لئے صرف یہ کہہ دیا جاتا کہ اچھے کاموں کا بدلہ ایک روحانی مسرت کی صورت میں پایا جائیگا تو وہ بالکل اس کو نہ سمجھتے اور کبھی اچھے کاموں کی طرف مائل نہ ہوتے۔ کلام مجید نے بھی عموماً وہی اندازِ بیان اختیار کیا جس کو لوگ سمجھ سکتے تھے۔" (رسالہ نگار بابت جولائی 1928ء) لیکن عالمگیر مذہب کا یہ کام نہیں ہے کہ لوگوں کے بے لگام ارادوں کو الہام کی صورت میں دلفریب الفاظ میں ادا کرے بلکہ اس کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کے خیالات تصورات جذبات اور افعال کو سدھارے اور ان کی قوتِ متخیلہ کو صراط مستقیم کی طرف چلائے۔ جنت کی قرآنی تصویر یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اسلام صرف اہل عرب کے لئے تھا اور اس میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔

(7)

عالمگیر مذہب مرد اور عورت دونو کے حقوق کی یکسا حفاظت کرتا ہے اور صنف نازک کی صحیح قدرومنزلت کرتا ہے۔ اس امر میں قرآن اور اسلام کی تعلیم مسیحیت کے مقابلہ میں قاصر رہتی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب "دین فطرت۔ اسلام یا مسیحیت ؟" کی فصل سوم وچہارم میں یہ ثابت کردیا ہے کہ اقوام کی شائستگی اور تہذیب کا معیار ازدواج کے قوانین اور قواعد ہیں جن اقوام میں وحدتِ ازدواج ہے اور میں اس رشتہ کے قیام وبقا پر زور دیا جاتا ہے وہ اقوام شاہراہِ ترقی پر گامزن ہوتی ہیں لیکن جن اقوام میں کثرت ازدواج مروج ہے اور طلاق کی اجازت ہے ان میں زوال پیدا ہوجاتا ہے اس بات سے کوئی صحیح العقل شخص انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن نے کثرت ازدواجی کی اجازت دے رکھی ہے۔ چنانچہ سورہ نساء میں ہے " عورتوں میں سے جو تم کو پسند آئیں دو دو تین تین چار چار نکاح میں لاؤ اور اگر یہ خوف ہو کہ عدل قائم نہ رکھ سکوگے تو ایک ہی نکاح کرو یا وہ (باندیاں) جو تمہارے ہاتھوں کا مال ہوں۔" (نساءآیت 3)۔

ان چار نکاحوں کے علاوہ ایک مسلمان لا تعداد لونڈیاں اور باندیاں رکھ سکتا ہے جس طرح اوپر کی آیت میں مذکور ہے پھر لکھاہے کہ "اے نبی ہم نے تیرے لئے تیری عورتیں حلال کردیں جن کا مہر تودے چکا ہے اور وہ (لونڈیاں) جو تیرے ہاتھ کا مال ہے۔ جو خدا نے تیرے ہاتھ لگوادیا

ہے" (احزاب 49)۔ اہل اسلام کو اجازت ہے کہ وہ اپنی باندیوں کے سامنے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت نہ کریں۔چنانچہ قرآن میں لکھا ہے " وہ جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر۔ سو ان پر الزام نہیں۔" اگر شادی شدہ عورات "تمہارے ہاتھ کی ملکیت ہوجائیں (نساء آیت 28)۔ تووہ بھی حرم میں داخل ہوسکتی ہیں۔ ان لونڈیوں اور باندیوں کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ اگر کسی مرد مسلمان کے ہاتھ ایک ہزار لونڈیاں لگ جائیں تووہ ان کو اپنی مدخولہ بنا کر اور اپنی چار بیویوں پر اضافہ کرکے قرآن سے باہر نہیں جاتا۔دنیائے اسلام میں اسی وجہ سے بیشمار طلاق دئے جاتے ہیں۔ اور اسکے مقتدیوں اور پیشواؤں نے یہی دستور العمل اپنے پیش نظر رکھا۔ چنانچہ تاریخ الخلفا مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی میں لکھا ہے کہ " ابن سعد نے علی بن حسین سے روایت کی کہ امام حسن عورتوں کو طلاق بہت دیا کرتے تھے۔ سوا اس کے جن کو آپ سے محبت ہوجاتی۔ آپ نے نوے(90) عورتوں سے نکاح کئے تھے۔۔۔۔۔چونکہ حضرت حسن عام طور پر نکاح کرکے طلاق دے دیا کرتے تھے اس لئے خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں قبائل میں عداوت نہ پڑجائے۔اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اہل کوفہ سے کہنا پڑا کہ تم میرے بیٹے حسن کو لڑکیاں نہ دو۔ وہ طلاق بہت دیا کرتے تھے ۔۔۔۔۔ ابن سعد نے عبداللہ بن سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن زیادہ نکاح کرنے والے خیال کے آدمی تھے اور ہمیں بوقت نکاح بہت کم اتفاق موجودگی کا ہوا ہے اور بہت کم ایسی منکوحہ عورتیں آپ کی تھیں جن سے آپ کو محبت والفت تھی"(صفحہ 131)لیکن کثرت ازدواجی کے باوجود حضرت امام صاحب نے شریعت محمدیہ کا کبھی عدول نہ کیا اور ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھیں۔ اسی طرح خلیفہ متوکل کی چار ہزار کنیزیں تھیں اور وہ ان میں سے ہر ایک سے فائدہ اٹھا چکا تھا (تاریخ الخلفا صفحہ 235)۔ کلکتہ کے ماڈرن ریویو بابت جنوری 1934ء میں لکھا ہے کہ شاہ ابن سعود نے تاحال ایک سو پچاس ازواج سے نکاح کیا ہے گو شرع اسلام کے مطابق چار سے زائد بیویاں بیک وقت نہیں کیں۔ پس یہ کہنا عین حق ہے کہ قرآن واسلام کی رو سے مرد کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جس قدر عورتیں اپنی حرم سرائے میں داخل کرنا چاہے کرلے۔ ان میں عدل وغیرہ کسی قسم کی حقیقی قید نہیں ہے۔

اخبار " ہمدرد" دہلی کے ایڈیٹر مرحوم مولانا محمد علی تھے ۔ اس اخبار کی اشاعت 10 اپریل 1925ء میں ایک صاحب "مکتوبِ فرنگ" کے زیر عنوان یوں رقمطراز ہیں۔" ترکوں نے جس دن سے تعداد ازدواج کو قانونی پابندیوں سے روکا ہے مجھے ان کے مہذب متمدن اور ترقی یافتہ ہونے کا یقین ہوچلا ہے۔ کم از کم میں توذاتی طور پر یقین نہیں کرتا کہ اسلام نے پوری آزادی کے ساتھ تعداد ازدواج اس طرح جاری کیا ہو جس طرح اب ہندوستان کے علماء کرام اس کو اپنے اور دوسروں کے لئے جائز فرماتے ہیں۔ میں توذاتی طور پر اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہوں اور عملی طور پر خود ایڈیٹر ہمدرد بھی میرے عقائد سے دور نہیں ہیں صرف فرق یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ موجودہ حالات میں تعداد ازدواج ایک جرم قبیح ہے اور وہ کچھ کہتے نہیں ہنس کر خاموش ہوجاتے ہیں۔" پس اس روشن خیال مسلمان کے مطابق قرآنی اجازت " موجودہ حالات " کے لئے موزوں نہیں اور "ایک جرمِ قبیح"ہے ۔ لہذا بیسویں صدی کے روشن دماغ مسلمانوں کی خاطر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح تاویلیں کرکے کثرتِ ازدواجی کے بدنما دھبہ کو قرآن سے مٹا یا جائے۔

ہم نے ان تاویلات پر اپنی کتاب " دین فطرت ۔ اسلام یا مسیحیت ؟" کی فصل سوم وچہارم میں شرح اور بسط کے ساتھ بحث کی ہے ۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرکے خود یہ فیصلہ کرلیں کہ آیا عورات کا جو درجہ قرآن واسلام میں ہے وہ اصولِ مساوات کے نقیض ہے یا کہ نہیں۔

فصل پنجم

اصولِ عبادت

خدا کی عبادت کے اصول پر نظر کرو تو یہی نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ مسیحیت عالمگیر مذہب ہے ۔ اور اسلام قوم عرب کا مذہب ہے۔

آداب وطرزِ عبادت کی نسبت سیدنا عیسیٰ مسیح نے فرمایا ہے کہ "خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں۔" (انجیل شریف بہ مطابق

حضرت یوحنا رکوع 4 آیت 18)"ہماری رسائی باپ (پروردگار) کے پاس ایک ہی روح میں ہوتی ہے (انجیل شریف خطِ اہل افسیوں رکوع 2 آیت 18)"ہم ہیں جو خدا کی روح کی ہدایت سے عبادت کرتے ہیں۔" (خطِ اہل فلپیوں رکوع 3 آیت 3)۔ خداوند خدا سب سے جو اس کو پکارتے ہیں نزدیک ہے ۔ ان سب سے جو سچائی سے اسے پکارتے ہیں۔" (زبور شریف 145 آیت 18)۔

پھر اوقاتِ عبادت کی نسبت انجیلی ہدایت ہے کہ " ہر وقت اور ہر طرح سے روح میں دعا اور منت کرتے رہو۔" (خطِ اہل افسیوں رکوع 6 آیت 18) دعا مانگنے میں مشغول اور شکر گزاری کے ساتھ اس میں بیدار رہو ۔" (خطِ اہل کلیسیوں رکوع 4 آیت 2)" ہر وقت دعا مانگتے رہنا اور ہمت نہ ہارنی چاہئیے ۔" (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا رکوع 18 آیت 1)"ہر وقت جاگتے اور دعا مانگتے رہو ۔" (حضرت لوقا رکوع 21 آیت 36)" دعا مانگنے میں مشغول رہو۔" (خطِ اہل رومیوں رکوع 12 آیت 12)۔ "بلاناغہ دعا مانگو ۔"(خط اول تھسلنیکیوں رکوع 5 آیت 17)۔

جائے عبادت کی نسبت کلمۃ اللہ نے اپنی زبانِ معجز بیان سے فرمایا۔ "تم نہ تو اس پہاڑ پر خداوند خدا کی پرستش کرو گے اور نہ یروشلم میں ۔۔۔۔ سچے پرستار باپ (پروردگار) کی پرستش روح اور سچائی سے کرینگے ۔ کیونکہ پروردگار اپنے لئے ایسے ہی پرستار ڈھونڈتا ہے ۔" (حضرت یوحنا رکوع 21 آیت 23)۔"ہر کوئی اپنی جگہ میں اس کی پرستش کرینگے ۔" (بائبل مقدس صحائف انبیاء صحیفہ حضرت صفنیاہ رکوع 25 آیت 11)۔آفتاب کے طلوع سے اس کے غروب تک میرا نام اقوام کے درمیان بزرگ ہوگا۔ اور ہر مکان پر میرے نام کے ہدیئے گذرانے جائینگے ۔"(صحیفہ حضرت ملاکی رکوع 1 آیت 11)۔ "میں چاہتا ہوں کہ انسان ہر جگہ بغیر غصے اور تکرار کے پاک ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگا کریں ۔"(خطِ اول تمطاؤس رکوع 2 آیت 8)"خدا نے دنیا اور اس کی ساری چیزوں کو پیدا کیا۔ وہ آسمان اور زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا ۔"(انجیل شریف اعمال الرسل رکوع 17 آیت 24)۔ "باری تعالیٰ ہاتھ کے بنائے ہوئے گھروں میں نہیں رہتا۔ چنانچہ نبی کہتا ہے کہ خداوند خدا فرماتا ہے کہ آسمان میرا تخت ہے اور زمین میرے پاؤں کی چوکی ہے تم میرے لئے کیسا گھر بناؤ گے ۔ یا میری آرام گاہ کونسی ہے ۔" (اعمال الرسل رکوع 7 آیت 48)۔ "جب تم دعا مانگو تو منافقوں کی مانند نہ بنو۔ کیونکہ وہ عبادت خانوں میں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہو کر دعا مانگنا پسند کرتے ہیں ۔ مگر جب تم دعا مانگو تو اپنی کوٹھڑی میں جاؤ اور دروازہ بند کرکے اپنے پروردگار سے جو پوشیدگی میں ہے دعا مانگو"(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی رکوع 6 آیت 5تا7)۔

اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ عبادت کے یہ اصول عالمگیر ہیں۔ خدا کی پرستش روح اور سچائی سے کرنی چاہیے ۔ عبادت کے لئے کوئی خاص اوقات مقرر نہیں۔ اور نہ کوئی جگہ مقرر ہے ۔ ہر وقت اور ہر جگہ انسان اپنے آسمانی باپ کی طرف رجوع کرسکتا ہے ۔ زمان ومکان کی قیود کہیں نہیں ہیں۔

(2)

برعکس اس کے قرآن مجید میں اسلامی آدابِ عبادت میں زمان ومکان کی قیود موجود ہیں جو ہمارے دعویٰ کی مصدق ہیں کہ اسلام عالمگیر نہیں بلکہ آنحضرت کے ہم وطن عربوں کے لئے تھا۔

چنانچہ قرآن میں آداب عبادت کی نسبت آیا ہے ۔" مسلمانو تم نماز کے پاس بحالت جنابت مت جاؤ جب تک غسل نہ کرلو۔ البتہ اگر مسافرت میں ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور اگر تم بیمار یا مسافر ہو یا کوئی تم میں سے پاخانہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ پھر اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مسح کرلیا کرو۔" (نساء آیت 46)"مسلمانو جب تم نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولیا کرو۔ اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا کرو۔"(مائدہ آیت 8)۔

اوقاتِ عبادت کی نسبت قرآن میں آیا ہے ۔ کہ"پس پاکی ہے اللہ کو جب تم شام کرو اور تیسرے پہر اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔" اور " تو دن کی دونوں طرفوں میں اور کچھ رات گئے نماز پڑھا کر۔" (ہود آیت 116)۔ سورج کے ڈھلنے کے وقت سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کر۔" (بنی اسرائیل آیت 80)۔

جائے عبادت کی نسبت حکم ہے " پھیر لے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف ۔ اور جہاں تم ہو اپنا منہ اس کی طرف پھیرو۔(بقر آیت 183)۔اللہ کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ پھر اگر تم

روکے جاؤ تو جو کچھ میسر ہو قربانی بھیج دو۔ اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچے ۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی دکھ ہو تو چاہیے کہ وہ فدیہ دے ۔ روزہ یا صدقہ یا ذبیحہ ۔ پھر جب تم امن پاؤ تو جس نے حج کے ساتھ عمرہ ملا کر فائدہ اٹھایا ہے ۔ اسکو چاہیے کہ جو کچھ میسر ہو قربانی دے ۔ پھر جس کو قربانی میسر نہ ہو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات روزے اس وقت رکھے جب تم اپنے گھروں کو لوٹو۔(بقر آیت 192)۔ جب تم میدان عرفات سے واپس ہو تو مشعر الحرام کے پاس خدا کو یاد کرو۔ پھر تم طواف کو چلو جہاں سے سب لوگ چلتے ہیں۔ اور خدا سے اپنا گناہ بخشواؤ(بقر آیت 194)۔

ارباب بصیرت انجیلی اور قرآنی آدابِ عبادت کا مقابلہ کرکے خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کونسا مذہب عالمگیر ہونے کی قابلیت رکھتا ہے ۔ اسلام کی کتاب پر لایمسہ الا لمطھرون کا دربان بیٹھا ہے لیکن انجیل کا یہ حال ہے کہ

گیر دار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

اسلامی پاکیزگی جسمانی اور ظاہری طہارت ہے ۔ جس کا باطنی اور روحانی پاکیزگی سے کسی طرح کا بھی تعلق نہیں۔ یہ پاک کتاب عربی میں ہے جو عام فہم نہیں۔ جس کا ترجمہ ہزار دقت چھپتا ہے اور وہ بھی متن سے معرا نہیں ہوتا۔ پانی سے وضو کرنا اور مٹی سے تیمم کرنا ۔ قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھنا اور وہ بھی صرف خاص اوقات میں اور اس پر طرہ یہ کہ عربی زبان میں نماز پڑھی جائے ۔ ایک ترکی مصنف نے کیا خوب کہا ہے ۔" یہ عجیب تماشہ ہے کہ ہم ایک ایسے اللہ کی پرستش کرتے جو سب کو عربی میں مخاطب کرتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ وہ عربی کے سوائے تمام دیگر زبانوں سے قطعی ناآشنا ہے ۔" لیکن انجیلی احکام کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ ہم کعبہ روہوں۔" اگر ٹخنوں کے نیچے یا اوپر پاجامہ ہوگیا تو اس سے خدا کی قربت میں کیوں فرق آنے لگا؟ سر پر عمامہ ہو یا نہ ہو روحانی قربت کو اس سے کیا واسطہ ؟ خدا دستار اور شلوار اور وضو کو نہیں دیکھتا ۔ وہ خلوص نیت اور صفائی قلب کو دیکھتا ہے ۔ ایام ماہواری میں عورت نماز نہیں پڑھ سکتی گویا حایضہ کے لئے خدا اپنے کان بند کرلیتا ہے ۔ پس ہر ماہ میں قریباً ایک ہفتہ تک عورت جسمانی ناپاکی کے باعث مذہبی فریضہ کو ادا نہیں کرسکتی۔ یہ کہاں کی عالمگیری ہے جو مرد اور عورت محض جسمانی ناپاکی کی وجہ سے خدا کی قربت حاصل نہیں کرسکتے " (عالمگیر مذہب)۔

دل کہ پاکیزہ بود جامہ ناپاک چہ سود؟

سر کہ بے مغز بود فغزی دستار چہ سود؟

غرضیکہ کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں۔ اس کے آداب رکوع وسجود وقعود بھی مقرر ہیں بلکہ چند اوقات ایسے بھی ہیں جن میں خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے چنانچہ مشکواۃ باب اوقات النھی میں مسلم کی روایت عقبہ بن عامر سے ہے کہ تین وقت ہیں جن میں رسول ﷺ ہمیں منع کیا کرتے تھے کہ نماز پڑھنے سے ۔ پہلا وقت جب سورج نکلنے لگے ۔ جب تک بلند نہ ہو۔ دوسرا وقت جب ٹھیک دوپہر ہو۔ جب تک دن نہ ڈھلے ۔ تیسرا وقت جب سورج غروب ہو۔ جب تک اچھی طرح غروب نہ ہوجائے ۔ وجہ یہ بتائی کہ طلوع وغروب کے وقت سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان (بین قرنی الشیطان) ہوتا ہے ۔ اور دوپہر کے وقت دوزخ میں ایندھن جھونکا جاتا ہے ۔ سوائے جمعہ کے روز کے ۔(ان جھنم تسجر الایوم الجمعۃ) چنانچہ خواجہ کمال الدین مرحوم بھی ۔ ینابیع المسیحیت میں فرماتے ہیں " قربان جاؤں حضرت محمد ﷺ کے ۔ اس نے اسلامی نمازوں کو اس شائبہ (آفتاب پرستی) سے الگ کردیا اور حکم دیا کہ سورج کے طلوع زوال اور غروب کے وقت کوئی نماز فرض ہو یا نفل نہ پڑھی جائے (ینابیع المسیحیت صفحہ 67)۔ گویا خدا تعالیٰ یہ نہیں جان سکتا کہ کون شمس پرست ہے اور کون خدا پرست ۔ لہذا جس وقت شمس پرست "سورج مہاراج" کو سجدہ کریں اس وقت مومنین پر لازم ہے کہ حقیقی معبود کی پرستش کو گناہ سمجھیں۔

وضو کی شرط اوقات کی پابندی ۔ کعبہ کی سمت شناسی ایسی شرائط ہیں جن کے بغیر کوئی متشرع مسلمان عبادت نہیں کرسکتا ۔ لیکن مسیحی روحانی تعلیم کے مطابق عیسائی ہر وقت نماز ادا کرسکتا ہے ۔ وہ ہر سمت کو اپنا قبلہ بنا سکتا ہے ۔ مسلمان سورج کے ٹھکانے کی کھوج میں ہوتا ہے یا قبلہ نما سے مدد لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ کعبہ میری ناک کی سیدھ پر رہے ۔ اس کی نماز کے اوقات بھی مقررہ ہیں۔ اور اسکی نماز قضا بھی ہوجاتی ہے مگر عیسائی کی نماز کبھی قضا نہیں ہوتی۔ وہ تعین

قبلہ میں پریشان ومضطرب نہیں رہتا ۔ نہ اس کو قضا پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ سجدہ سہو کرنے کی۔

بخدا خبر ندارم چو نماز مے گذارم
کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

(مولانا روم)

مگر جس دین میں اسلام کی سی ظاہری پابندی ہو وہ عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا۔

حج کا فریضہ بھی ہمارے اس دعویٰ کا مصداق ہے کہ رسول عربی ﷺ صرف قوم عرب کے لئے ہی آئے تھے ۔آنحضرت کے زمانہ میں حج ایک آسان بات تھی کیونکہ اہل عرب ایک مرکزی جگہ پر جمع ہوسکتے تھے۔ روئے زمین کے باشندوں کے لئے اس فرض کو ادا کرنا ایک ناممکن بات ہے عالمگیر مذہب کے اصول واحکام ایسے ہونے چاہئیں جن کی ہر قوم اور ہر ملک اور ہر زمانہ کے افراد یکساطور پر تعمیل کرسکیں۔ یہ نہیں کہ بعض آسانی سے اس پر عمل پیرا ہوں اور دوسرے ہزار دقت سے اس پر عمل کرسکیں۔ اسی لئے مسیحیت میں نہ کوئی حج ہے نہ عمرہ نہ عرفات ہے ۔ اور نہ قبلہ بلکہ ہر مسیحی کا دل بیت اللہ اور خدا کا مسکن ہے چنانچہ مقدس پولوس فرماتے ہیں کہ " کیا تم نہیں جانتے کہ تم خدا کا مقدس ہو۔اور خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے۔(انجیل شریف خطِ اول اہل کرنتھیوں رکوع 3آیت 16)۔

مسیحیت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ باری تعالیٰ ہاتھ کے بنائے ہوئے گھروں میں نہیں رہتا ۔ چنانچہ نبی کہتا ہے کہ " خداوند خدا فرماتا ہے ۔آسمان میرا تخت اور زمین میرے پاؤں تلے کی چوکی ہے تم میرے لئے کیسا گھر بناؤ گے ۔ یا میری آرامگاہ کونسی ہے ۔" (انجیل شریف اعمالرسل رکوع 7آیت 48)۔

علیٰ ہذا القیاس روزہ کے فریضہ پر غور کرو۔ جس کے باعث سحری سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے سے پرہیز کرنا لازم ہے ۔ اوّل کھانا ۔ پینا اشیائے خوردنی وغیرہ سے پرہیز کرنا ایک جسمانی امر ہے ۔ جس کا تعلق حقیقی روحانیت اور قربت الہیٰ سے نہیں ہے ۔ "کھانا ہمیں خدا سے نہیں ملائیگا۔ نہ کھائیں تو ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ اور اگر کھائیں تو نفع نہیں۔" (خطِ اول اہل کرنتھیوں رکوع 3آیت 16)۔ علاوہ بریں اسلامی روزہ ایسا ہے کہ کل بنی نوع انسان اس کی شرائط کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اس کے برعکس مسیحیت نے روزہ کے لئے خاص اوقات اور مہینے مقرر نہیں کئے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں بلکہ راستبازی اور میل ملاپ اور اس خوشی پر موقوف ہے جوروح القدس کی طرف سے ہوتی ہے ۔" (خطِ اہل رومیوں رکوع 14آیت 16) پھر ارشاد ہے " میرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے کس لئے روزے رکھے ۔خدا تو دیکھتا ہے نہیں؟ تو اس پرلحاظ نہیں رکھتا ؟دیکھو اس طرح کا روزہ رکھنا نہیں چاہئے۔ کیا یہ وہ روزہ ہے جو مجھے پسند ہے؟ ایسا دن کہ اپنی جان کو دکھ دے اور اپنے سر کو جھاؤ کی طرح جھکائے ؟ کیا وہ روزہ جو میں چاہتا ہوں یہ نہیں کہ ظلم کی زنجیریں توڑیں۔ اور جوئے کے بندھن کھولیں؟ اور مظلوموں کو آزاد کریں۔ بلکہ ہر ایک جوئے کو توڑ ڈالیں کیا یہ نہیں کہ تو اپنی روٹی بھوکوں کو کھلائے اور مسکینوں کو جو آوارہ ہیں اپنے گھر میں لائے ۔ اور جب کسی کو ننگا دیکھے تو اسے پہنائے اور تو اپنے ہم جنس سے روپوشی نہ کرے ؟" (بائبل مقدس صحائف انبیاء صحیفہ حضرت یسعیاہ رکوع 58آیت 3تا 7)۔ اس کے بالمقابل قرآنی روزہ کی ہدایت ملاحظہ ہو"جب تک فجر کو سفید دھاگا کالے دھاگے سے صاف جدا نظر نہ آوے کھاؤ پیو۔ پھر رات تک روزہ تمام کرو(بقرع 23)۔ ناظرین خود انصاف کریں کہ روزہ کی کونسی ہدایت عالمگیر کہلانے کی مستحق ہے۔

اسلام میں قربانی کی ہدایت اور حکم موجود ہے ۔ تاکہ اللہ مومنوں سے ان کے گناہ دفع کرے (حج آیت 39) اور اس بارے میں یہاں تک مبالغہ سے کام لیا گیا ہے کہ لکھا ہے کہ خدا نے ایک مردے کو ایک قربانی کی گائے کے ٹکڑے سے زندہ کردیا۔(بقرآیت 63تا 68) خدا نے قرآن میں نبی کو قربانی کے لئے حکم دیا" اے نبی اپنے رب کے لئے قربانی کر۔ بیشک جو تیرا دشمن ہے وہی بے نسل ہے۔" (کوثر) لیکن حقیقت یہ ہے کہ " خدا سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے خوش نہیں ہوتا۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "دیکھ حکم ماننا قربانی چڑھانے سے اور شنوا ہونا مینڈھوں کی چربی سے بہتر ہے ۔ (بائبل مقدس 1 سیموئیل رکوع 15 آیت 22)۔ خدا سے سارے دل اور

ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنی اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنی سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس رکوع 12 آیت 33)۔

جانوروں کی قربانی کا اصول درحقیقت مذہب کی عالمگیریت کےمنافی ہے ۔ خود ہندوستان کودیکھ لوہر سال قربانی کی عید پر فساد ہوتاہے کیونکہ اہل اسلام کی قربانی سے اہل ہنود کی دل آزاری ہوتی ہے ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ اصول اور حکم ہر ملک پر حاوی نہیں ہوسکتا۔ اور اس سے ہمارے دعویٰ کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ اسلام صرف آنحضرت کے ہم وطن عربوں کے لئے تھا۔ جہاں اونٹ وغیرہ کی قربانی ہوسکتی تھی ۔ جن ممالک میں اونٹ یادیگر قربانی کے جانور نہیں ہیں وہ خود ان احکام سے مستثنیٰ ہوگئے اور اسلام عالمگیر مذہب نہ رہا۔

پس اسلامی عبادت کے سب اصولوں کا تعلق ملکِ عرب کے ساتھ ہے ۔ اور وہ زمان ومکان کی قیود سے آزاد نہیں ہیں لہذا وہ عالمگیر نہیں ہوسکتے۔

فصل ششم

اصولِ شریعت

ہم نے اپنے رسالہ "کلمتہ اللہ کی تعلیم" میں انجیل جلیل کے اساسی اصول پر مفصل بحث کی ہے اور کتاب " مسیحیت کی عالمگیری "کے باب دوم میں یہ ثابت کردیا ہے کہ کلمتہ اللہ کے اصول جامع اور عالمگیر ہیں ۔ وہ الف سے لے کری تک روحانی ہیں لہذا زمان ومکان کی قیود سے آزاد اور کل اقوام وممالکِ عالم پر حاوی ہیں۔ کل دنیا کے مذاہب کے رسولوں اور پیغمبروں کے احکام ان کے اپنے ماحول یا مختلف معلموں کے خیالات کا مجموعہ ہیں جو ان کی قوم کے ساتھ مختص ہیں جس کی وجہ سے ان کے پیغام میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ ان اصولوں کا تعلق صرف ایک قوم کے ساتھ وابستہ تھا اور یہی وابستگی ان کو عالمگیر ہونے نہیں دیتی۔ لیکن انجیل جلیل کے اصول کسی خاص ملک قوم یا زمانہ کے لئے وضع نہیں ہوئے تھے لہذا زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہونے کی وجہ سے ان کا اطلاق کل اقوام وممالک وازمنہ پر ہوسکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ کلمتہ اللہ عالمِ روحانیت کے واحد حکمران اور تاجدار ہیں۔

(2)

احکامِ شرعیہ زمان ومکان کی قیود میں جکڑے ہیں

لیکن قرآن کے اصول اور اسلام کے احکام عالمگیر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ زمان ومکان کی قیود سے آزاد نہیں بلکہ قیود شرعیہ کی زنجیروں اور دیگر پابندیوں سے جکڑے ہوئے ہیں وہ جامد اور ٹھوس ہیں جو ضرورتِ زمانہ اور حالتِ خاص کے مطابق نہیں ڈھالے جاسکتے ۔ ضروریات زندگی تغیر پذیر ہوتی ہیں پس وہ ہر ملک قوم اور زمانہ کے لئے یکساں نہیں ہوتیں۔ لیکن اسلامی احکام ان تغیرات کے مطابق حسب ضرورت چسپاں نہیں کئے جاسکتے ۔ کیونکہ شارع کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اس کے احکام کا غیر عرب پھر بھی اطلاق کیا جائیگا ۔ تمام دنیا کے ممالک کے لوگ اور ہر زمانہ کے مختلف افراد ایک ہی لاٹھی سے ہانکے نہیں جاسکتے خود حضرت رسول عربی کی عین حیات میں آپ کو موقعہ اور محل کے مطابق اور تغیر حالات کے باعث چند احکام بدلنے پڑے تھے۔ ناسخ ومنسوخ کا مسلمہ مسئلہ اس امر پر شاہد ہے۔(سورہ بقرہ آیت 100)جلال الدین نے اپنی کتاب اتقان میں بیس ایسی آیات لکھی ہیں جن پر ناسخ ومنسوخ کا اطلاق ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب حجتہ البالغہ میں اسباب نسخ پر بحث کرتے ہوئے ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کلامی ینسخ کلام اللہ و کلام اللہ ینسخ کلامی و کلاہ اللہ ینسخ بعض بعضھا۔ یعنی میرا کلام خدا کے کلام کو منسوخ نہیں کرسکتا اور خدا کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور خدا کا کلام دوسرے کلام کو منسوخ کرتا ہے پھر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ کسی شے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوتی ہے۔ اس کے مطابق اس کا حکم متعین ہوجایا کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے۔ اس میں وہ حالت اس شے کی نہیں رہتی اس لئے وہ حکم بھی اس کا نہیں رہتا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آغاز اسلام میں امت کے لئے کفار سے جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس وقت نہ لشکر تھا نہ خلافت لیکن جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آگئے۔ خلافت کا ظہور ہوا اور

دشمنانِ خدا سے مقابلہ کی قوت ہو گئی۔ تو خدا تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا کہ اب ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے۔" (آیات اللہ الکاملہ ترجمہ حجتہ البالغہ باب 73 صفحہ 191)۔

جب حضرت ﷺ اس دنیا سے کوچ کر گئے اور شریعت الہیٰ میں تبدیلی کا امکان نہ رہا اور شریعت ٹھوس ہو گئی تو اب اسلامی شرع ہمیں صرف ایک خاص قسم کی رسوم ۔ طرز معاشرت اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کی پابند کرتی ہے جن کا تعلق پہلی صدی ہجری کے زمانہ کے ساتھ ہے جن کا اطلاق اس بیسویں صدی مسیحی میں مختلف ممالک اور مختلف طبائع پر نہیں ہوسکتا۔ اب تمام اسلامی ممالک اس امر کو محسوس کررہے ہیں کہ اگر وہ اقوام عالم کے ہمدوش ہو کر چلنا اور باعزت زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو ان کو ان تمام قیود شرعیہ سے آزاد ہونا ہوگا "جن کے آہنی پنجہ" میں وہ اب تک جکڑے رہے ہیں ایدھمہ اللہ بنصرہ ۔ ان تمام اسلامی ممالک کی تاریخ زبانِ حال سے پکار کر کہہ رہی ہے کہ اسلام میں عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔" جس کے کان سننے ہوں وہ سن لے۔"

(3)

اس روشن حقیقت کے باوجود بعض اشخاص ایسے بھی ہیں جو دور حاضرہ میں غیر عرب ممالک میں اسلام کی اشاعت کا ڈھول بجا کر جاہل مسلمانوں سے روپیہ بٹور کر اپنا الوسید ھا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب مرزائی جماعت نے دیکھا کہ اب اور کسی حیلے سے روپیہ ہاتھ نہیں آتا تو انہوں نے مسلمانوں کی جیبوں پر اسلام کے نام سے ڈاکہ ڈالنا شروع کردیا ہے۔ چنانچہ اس فرقہ ضالہ کی قادیانی جماعت نے "تحریک جدید" کے نام سے اور لاہوری جماعت نے "اشاعت اسلام" کے نام سے ہندوستان کے مسلمانوں کو دھوکا دینا شروع کردیا ہے۔ وہ بڑے زور شور سے دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ براعظم یورپ اور افریقہ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کررہے ہیں اور ان ممالک کے لوگ دھڑا دھڑ اسلام کے حلقہ بگوش ہورہے ہیں۔ ان کو دائرہ اسلام میں لانے کے لئے روپیہ کی اپیل کرتے ہیں ہر سالانہ جلسہ پر اس خانہ ساز تبلیغ کی رپورٹ بازی ہوتی ۔ احمق چندہ دہندگان کی خاطر جمعی کے لئے چند ایک "نو مسلموں" کے نام اور تصاویر شائع کی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ایسے مسلمان بھی ہیں جن کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے اور وہ اس خداداد عقل کو استعمال بھی کرتے ہیں۔ اور وقتاً وفوقتاً مرزائی جماعت کے دو فرقوں کے پول کھول دیتے ہیں۔ چنانچہ مرحوم خواجہ کمال الدین کی انگلستانی تبلیغی تحریک کی نسبت ایک مسلمان اخبار مدینہ بجنور میں زیر عنوان "مکتوب لندن" یوں فرماتے ہیں " تمام تحریک (یعنی انگلستان میں تبلیغ اسلام کی تحریک) ایک بڑا فریب ہے کیا آپ سمجھتے ہیں وہ اسلامی زندگی پیدا کرسکتے ہیں ۔ جس کا ڈاکٹر اقبال خواب دیکھتے ہیں یا جس کے لئے ایک مسلمان چندہ دیتا ہے مثلاً غیر ذبیحہ گوشت سے اجتناب ۔طہارت بدن ۔ کپڑے کی پاکی پابندی صوم صلواہ ۔ زکواۃ حج نہیں ہم رکن اور اسلامی فرائض سمجھتے ہیں آپ اس کے متعلق یہاں کہیں تو لوگ آپ کو خصوصاً انگریز مسلمان دقیانوس خیال کرینگے اور آپ بھی نادم ہونگے ۔ اگر کمال الدین مشن یہاں کامیاب ہے تو یہ خود اس کی بین دلیل ہے کہ انہوں نے روح اسلام پر کوئی ظلم کیا ہے ۔ووکنگ مسجد ایک عمدہ سوشل کلب ہے ۔ فائدہ یہ ہے کہ دوسرے تھیٹر تماشہ گاہوں کی طرح وہاں خرچ کچھ نہیں۔ میں واقعی اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ دیکھتے ہوئے ------ لندن کے اس کلب کے لئے جس کا نام غلطی سے ووکنگ مسجد ہے روپیہ لوگ کس طرح دیتے ہیں۔ بیگم صاحبہ دام اقبالہ والیہ بھوپال نے دورانِ قیام انگلستان میں اس مسجد میں نماز پڑھنا گوارا نہ کیا اور اس فریب پر بار بار روئیں" 7 جنوری 1928ء نمبر 5 جلد 17 صفحہ 4)۔

پس تاریخ اور دورِ حاضرہ کے حالات سے ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ اسلام میں عالمگیر ہونے کی اہلیت سرے سے ہی نہیں ہے ۔ اور اگر کوئی مسلمان اس کو عالمگیر سمجھتا ہے تو "روح اسلام پر ظلم کرتا ہے ۔"

انہی امور کو پیش نظر رکھ کر انگریز مسلمان۔ خصوصاً مرزائی فرقہ کی لاہوری جماعت کی مایہ ناز ہستی مرحوم لارڈ ہیڈلے اسلام میں قطع برید کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ انگریز مسلمان ہوسکیں۔ ہم ذیل میں ان کے خط کا اقتباس کرتے ہیں جو یکم جولائی 1927ء کے قادیانی (لاہوری) انگریزی اخبار لائٹ میں شائع ہوا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ :

"اگر آپ یارک شائر برطانیہ کے کسی کسان پر زور ڈالیں کہ وہ سور کا نمکین گوشت ۔ انڈے اور شراب کا استعمال ترک کردے ۔ حالانکہ یہ غذائیں اس کے لئے نسلوں سے مفید ثابت ہورہی ہیں اور اسے یہ کہیں کہ اگر ان اشیاء کا استعمال جاری رکھوگے تو نجات کا دروازہ تمہارے لئے

بند ہوجائیگا۔ توآپ اسے اسلام کی صداقت اور وسیع النظری کا معتقد بنانے سے قاصر رہینگے۔ اسی
طرح اگرآپ ایک مسلمان کے لئے یہ لازمی شرط قرار دینگے کہ ہر ایک تاجردن بھر میں پانچ بار سجدہ
بجالائے اور نماز پڑھے توآپ بہت سے لوگوں کو اسلام کے حلقہ میں نہ لاسکینگے۔ جو کچھ عرب کے
ایک باشندے کے لئے جو صحرائی گردو نواح میں رہتا ہے اور ڈھیلے اور سستے کپڑے پہنتا ہے ممکن
ہے۔وہ ایک مصروف تاجر کے لئے جو قیمتی لباس میں ملبوس ہے۔ ناممکن ہے۔ایک گیلے اور کیچڑ
والے بازار میں نماز کے لئے جھکنے کا خیال ہی حماقت میں داخل ہے۔ جو شخص ایسا کرنا چاہتاہے
اسے یہ بھی سوچنا ہوگا کہ کپڑوں کی سلائی کا خرچ کس قدر اٹھیگا۔ انگریز کے دماغ میں نہ آسکیگا کہ
نجات کے لئے یہ چیز بھی ضروری ہے۔حالات گردو پیش ناموافق ہیں اور دائمی خوشی کے حصول کا
انحصار اس بات پر نہ ہونا چاہئے۔ کہ کوئی شخص مکہ میں پیدا ہوا ہے یا انگلستان میں پس میری رائے
ہے کہ ہمیں صرف خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاناچاہیے۔ اور مجھے کوئی وجہ نہیں نظر آتی کہ
کیوں دوسرے عقائد لوگوں کے گلے میں ٹھونسے جائیں جب کہ ایسا کرنے سے ہم انہیں اسلام سے
دور کرتے ہیں۔" (ماخوذ از پرتاب لاہور 11 ستمبر 1927ء)

(4)

سید مقبول احمد صاحب لکھنوکے رسالہ نگار میں اسی مضمون پر بحث کرتے ہوئے فرماتے
ہیں " دنیا میں عموماً دو قسم کے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ ایک قومی اور دوسرے عمومی۔ قومی
مذاہب ہنود۔ یہود ومجوس ہیں۔ عمومی مذہب بدھ نصرانیت اور ایک حد تک اسلام ہیں پہلے قسم
کے مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک قوم کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور دوسری قوم میں اس
کی اشاعت ممنوع و ناممکن ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے قسم کے مذہب ہیں۔مگر اسلام کی
صورت دونوں کے بین بین عجیب ہے۔وہ اس لحاظ سے قومی مذہب ہے کہ قرآن کے ساتھ مذہب
کا جزووہ قومی شریعت بھی ہے جو بالخصوص عرب کے لئے قرآن اور زیادہ تر روایات سے تدوین کی
گئی ہے۔ کیونکہ جب کسی مذہب کے ساتھ شریعت جزو لازم ہو تووہ قومی مذہب پایا جائیگا اس کے
معنی صرف یہی ہوسکتے ہیں کہ قانون ایک خاص معاشرت کے قوم کے ساتھ مخصوص ہوگیاہے۔
عمومی مذہب شریعت کا پابند نہیں ہوسکتا۔ بشرطیکہ اس مذہب میں ہر قوم کو شریعت میں اختیار
کا حق حاصل ہو۔ اسلام ایک عربی شریعت کا پابند بنادیا گیاہے۔۔۔۔ اس نے مختلف قوموں کے
کو ایک رنگ اور ایک خیال میں ڈھال کر ان کو ایک مرکز اور ایک شریعت سے وابستہ کردیا ہے۔
ہمارے لئے تو یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو ہم اسلام کے احسانات میں شمار کرتے رہے ہیں۔
لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے اس ایک فعل نے مسلمانانِ عالم کی ایک عجیب صورت بنا کر ان کو
قومی اور دنیاوی ترقی سے خالی کردیا ہے۔ بلکہ اسلام کی تبلیغی ترقی میں اس درجہ حارج ہے کہ بلاشبتہ
اب وقت آگیا ہے کہ ہم صاف لفظوں میں اس کی خرابیوں کا اعادہ کریں" (ماہ مئی 1928ء)۔

"اگر اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔۔۔۔۔ تو کیوں ہم عربی قومی خصائص کے لئے مثلاً
ختنہ۔عقیقہ۔طواف کعبہ۔ سعی صفاو مروہ امتناع لحم خنزیر احکام وراثت نکاح طلاق وازدواج۔ بیع
وشرا بلکہ ایک خاص طریقہ عبادت کے لئے (جو بالتخصیص عربی زبان میں ہو) مجبور کئے جاتے ہیں۔
اور بغیر ان کے ہم مسلمان نہیں سمجھے جاتے۔ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کا بلحاظ آب وہوا
مزاج زبان عادات معاشرت وتمدن وغیرہ اختلاف رکھنا ایک فطری خاصہ ہے۔۔۔پس اگر اسلام
عربی قوم کے لئے مخصوص تھا تو اس کا دوسری قوم میں پھیلانا بے معنی ہے اور اگر پھیلاجائے تو
اس کی اول شرط یہ ہونی چاہیے کہ ایسی قوم کو پہلے عربیت میں ڈھالنا چاہیے اور اسکے بعد ان کو
مسلمان کرنا چاہیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو قومیں فطرتاً عرب کے عادات اختیار کرنے کے قابل نہ تھیں۔
خصوصاً جو سرد ملکوں مثلاً یورپ کے رہنے والی تھیں ان کو اسلام لانے میں ہمیشہ تکلف ہوا اور اسلام
صرف ان ممالک میں پھیل کر رہ گیا جہاں تک عربوں کی تلوار اور سلطنت وسیع ہوئی۔چنانچہ اہل
شام ومصر وبربر کو مجبوراً اپنا تمدن بدل کر مستعرب قوم بننا پڑا۔ اور اہلِ عجم نے اپنا قومی شعار
زبان عربوں کے لئے نہ بدلی۔ انہوں نے شریعت کے قیود سے باہر ہوکر صوفیت کی بناڈالی۔
اسلام کو اس خطرناک غلطی کا اس وقت تک پتہ نہ چلا۔ جب تک عرب پر حکومت کا خمار تھا۔مگر
جب یہ خمار ٹوٹا تو اس کے ساتھ اسلام کا رشتہ ترقی بھی تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا
اور اب یہ حالت ہے کہ اگرچہ اسلام متعدد قوموں میں پھیلا ہوا ہے اور وہ سب مل کر ایک قوم اسلام
کے ماتحت ہیں۔مگر سب حالتِ انحطاط میں پڑے ہوئے زندگی بسر کررہے ہیں۔" (رسالہ نگار لکھنو
ماہ مئی 1928ء)۔

یہی صاحب پھر لکھتے ہیں کہ " تمام وہ باتیں جن کا اثر ہر قوم وہر زمانے میں عام نہیں وہ سب مذہب کے فروع ہیں اور اس میں احکامات دیوانی وفوجداری وجہاد ۔قومی مراسم بلکہ طریقہ عبادات بھی شامل ہیں۔ مذہب کی عملی پابندی کے لئے اگر ایک شریعت ضروری ہے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی دنیا کے اندر ہر قوم وہرزمانہ میں ابو حنیفہ پیدا ہوا کریں جو اپنے ملکی حالات ومعاشرت کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کریں۔ مگر پہلی صدی ہجری کے آئمہ کے قیاسات کومذہب کے عام اصولوں کے ساتھ دوامی سمجھنا تبلیغ واشاعت کے لئے بہت برا ہے اور خود قوم اسلام کی دنیاوی ترقی کا سد باب ہے ۔ یہ ایسی غلطی ہے جس کا خمیازہ ہم نے اب تک اٹھایا ہے ۔ یورپ اور عرب کی نشست وبرخاست ولباس میں زمین وآسمان کا فرق ہے ۔ عرب اپنی مسجد میں زمین پر بیٹھ کرآسانی سے عبادت کرسکتا ہے ۔ مگر یورپ کرسی کا عادی ہے ۔ کیوں نہ یورپ کا ابو حنیفہ عبادت کا طریقہ ان کی عادت کے موافق اجتہاد کرے۔ یورپ کے ایک مشغول کاروباری سے کہو کہ وہ مغرب کے وقت جب کہ وہ اپنے کام سے راحت پاتا ہے ۔ یاظہر کے وقت کوئی نماز ادا کرے اور اسی پر اس کے اسلام کا انحصار ہوتو وہ کیونکر اسلام کو فطری مذہب مان سکتا ہے ۔" (رسالہ نگار جون 1928ء)مسلمانوں میں یہ احساس مدت سے ہے ۔ مثلاً ایک روشن خیال مسلمان مسٹر احمد نے اخبار پایونیر مطبوعہ 14 نومبر 1908ءمیں لکھا تھا ۔" میں نے ایشیا ۔ افریقہ ۔ یورپ کی اسلامی ریاستوں کی تاریخ بڑی احتیاط وتوجہ سے مطالعہ کیا ہے اور نیز انگریزی قوم کی تاریخ کا بھی۔ میں ہندستان میں پیدا ہوا اور یہیں پرورش پائی اسلامی طبیعت کے رنگ ومیلان سے میں واقف ہوں اور جس نتیجہ پر میں پہنچاہوں وہ یہ ہے اسلام میں تغیر کا خیال ہی ندارد ہے اور اس لئے ترقی کا جوہر بھی مفقود ہے ۔ اوریہی باعث ہے ۔ کہ کوئی اسلامی قوم اس قابل نہ ہوئی کہ ترقی کی ایک حد معین تک پہنچ کرآگے قدم بڑھاسکے ۔ اسلام سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہماری اس زندگی کے معاملات میں ہمارے طرز عمل کی ہدایت کے لئے جزئی اور تفصیلی قواعد بھی سکھلادے ۔ اسلامی سوسائٹی کی بنیاد اس خیال پرہے کہ جوکچھ انسان کودرکار تھاسب ہمارے پاس موجود ہے ۔ جوکچھ ملنا تھاآسمان سے نازل ہوچکا ہے ۔ ہماری ساری شامتوں مصیبتوں کا باعث یہی ہے اور ہمارے زوال اور انحطا اور انجام کار نامرادی کا بھی یہی باعث ہے کہ ہم اپنے قوانین وانتظامات کوکامل تصور کر بیٹھے اور ناقابل تبدیل وترمیم ۔ کتنی دفعہ ہم نے کوشش کی مگر قاصر رہے اس قانون کی نظر ثانی کرلیں ۔ جوسود لینے دینے کے خلاف ہے یا اس قانون کی جس کی بدولت مالک کے مرتے ہی جانداد کے تکے بوٹی لگ جاتے ہیں۔ انہیں وجوہ سے کثرت ازدواجی آج تک برقرار ہے اور غلامی بھی ۔ باندیوں کا بلانکاح حرم بنالینا بھی۔ اوریہ ہمارے معاشرتی انتظام کے گویا جزو اعظم بن گئے ہیں۔ شوہر کے اختیارات طلاق کے آگے کوئی روک نہیں مگر زوجہ کو مطلق حق نہیں کہ وہ جدائی کی طلبگار ہوسکے۔ مسلمانوں کو اس روپیہ پرسود مانگنا حرام جو قرض میں دیا گیا اس لئے دیگر ساری قومیں دولتمند ہوتی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ زرسراسر دیگر قوموں کے ہاتھوں میں آگیا۔ میں دلیری کے ساتھ علانیہ پکار کرکہے دیتا ہوں کہ ہر گز کوئی ترقی نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ ہم یہ دیکھنے لگ جاویں کہ اصل الاصول اور ابدی دینی واخلاقی صداقتیں صرف وہی ہیں جن کی تلقین مکہ شریف میں کی گئی تھی لیکن وہ قوانین جو مدینہ النبی میں مقرر ہوئے تھے وہ صرف اہل عرب کے لئے موضوع تھے ۔ اور ابتدائی قرون اسلام کے لئے موضوع ہوئے تھے۔" مسٹر احمد کے اس خط کا جواب 28 نومبر کے پایونیر میں ایک اور مسلمان مسٹر عسکری نے دیا۔ لیکن اس نے بھی انجام کار وہی ات کہی جو مسٹر احمد نے کہی تھی اور اپنے الفاظ میں یوں ادا کی۔" مذہبی اور اخلاقی صداقتیں اسلام کی اصل الاصول اور ابدی سچائیاں ہیں مگر اسلام میں جو قوانین اور معاشرتی نظامات ہیں جن کی نبی صاحب نے بیشتر اپنے زمانہ کے اہل عرب کی ہدایت کی خاطر تلقین کی تھی وہ قابل تبدیل ہیں۔"

یہودی عالم ڈاکٹر مانٹی فیوری ہم کو بتاتا ہے کہ یہودیت میں بھی بعینہ یہی دو عنصر تھے۔ یعنی خدا کی وحدانیت اور اخلاقی تعلیم ایک طرف اور قومی قیود مراسم دوسری طرف اور موخر الذکر امر اس مذہب کے عالمگیر ہونے میں سدر راہ ثابت ہوا *1 ۔اور یہی قومی قیود اسلام کو عالمگیر ہونے سے روکتے ہیں۔

---

*1. synoptic gospel.vol.1 ppcx111.

(5)

مولانا عبدالماجد بی ۔ اے مرحوم مولانا محمد علی کے اخبار ہمدرد دہلی میں بعنوان "ہماری بے بسی" یہ سوال پوچھتے ہیں " اور فرماتے ہیں " ہم کومذہبی آزادی ہندوستان میں حاصل ہے اس

کا اندازہ روزمرہ کی چند مثالوں سے فرمائیے۔ ہم میں سے ایک شخص حرامکاری کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے تئیں حد شرعی کے لئے پیش کرتا ہے کیا قانون وقت ہم کو اس کی اجازت دیگا کہ ہم اسے سنگسار کریں؟ ایک مسلمان چوری کرتا ہے۔دوسرے مسلمان اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیا اس اسلامی سزا دینے کے بعد وہ مسلمان خود سرکاری مجرم نہ قرار پاجائینگے؟ شراب کی آزادانہ تجارت اور آبکاری وافیون کے محکموں کو مسلمانان ہند اگر توڑنا چاہیں تو ازروئے قانون توڑ سکتے ہیں۔" (19 فروری 1925ء) کیا اس قسم کا اضطرار اور بے چینی یہ ثابت نہیں کرتی کہ اسلامی قوانین عالمگیر نہیں ہیں۔ آج کونسی مہذب سلطنت زناکاری کی سزا سنگساری اور چوری کی سزا قطع ید سارق تجویز کریگی۔ یہ قوانین رسول عربی کے زمانہ کے اہل عرب کے لئے نہایت موزون تھے۔ لیکن چونکہ وہ ابتدائی قرون اسلام کے لئے موضوع ہوئے تھے۔ چودہ سو سال کے بعد دورِ حاضرہ کے حالات پر ان کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

(6)

گذشتہ چند سالوں کے دوران میں ہندوستان کی مسلم اخبارات میں اس بات پر بڑی لے دے رہی ہے کہ مسلمان عورت کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ مذہب اسلام کو ترک کرکے کوئی دوسرا مذہب اپنے نکاح کو فسخ کرانے کی خاطر اختیار کرسکے۔ بیچاری عورت ذات سے اسلام نے طلاق دینے کا حق پہلے ہی چھین رکھا تھا۔ پس اس کے لئے طلاق حاصل کرنے کے لئے ایک ہی راہ کھلی تھی کہ وہ ایسے مذہب کو ترک کرکے خاوند کی غلامی سے نجات پائے۔ لیکن اب اہل اسلام نے شور وغل مچا کر حکومت ہند سے قانون پاس کرواکر عورت کے لئے یہ راہ فرار بھی بند کروادی ہے اس قانون کے پاس کرانے کی جدوجہد کے سلسلہ میں مولوی محی الدین احمد صاحب بی۔اے۔ نے ایک مضمون رسالہ پیام اسلام جالندھر کے جنوری 1935ء نمبر میں لکھا۔ اس میں مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں:

"آج کل تمام مسلم اخبارات میں عورتوں کے نکاح کو فسخ کرانے کے لئے تبدیل مذہب کرنے پر ایک بجا شور بپا ہے۔ اور اس فتنہ کو روکنے کے لئے مختلف تدابیر پیش کی جارہی ہیں۔ اس وقت سب سے زیادہ اجتماع آراء اس امر پر ہورہا ہے کہ حکومت انگریزی سے ایک خاص مسودہ قانون اس بارہ میں منظور کرایا جائے جس سے اس فتنہ کا سدِ باب ہوسکے۔۔۔۔۔ یہ مسئلہ دراصل مسلمانوں کی موت وحیات کا مسئلہ ہے۔

میرا ناقص خیال یہ ہے کہ جہاں تک تجویز کردہ راہ کی صحت کا تعلق ہے مجھے خوف ہے کہ یہ ع کیں راہ کہ تو می روی بترکستان است کا مصداق ہے۔ اگر ہم ایک مرض کا علاج کرتے ہوئے ایک دوسرے شدید ترین مرض کو خرید لیں۔ تو اسے صحیح چارہ گری نہیں کہہ سکتے۔ امت مسلمہ کا یہ متفقہ اور متحدہ فیصلہ ہے کہ ملت کو اپنی مذہبی تکالیف کے سلسلے میں جن کا تعلق ہمارے پرسنل لا (یعنی شریعت محمدی) سے ہو۔ خواہ وہ تکالیف کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہوں۔ حکومت کا دروازہ کھٹکھٹانا اور بذریعہ قانون رائج الوقت اس کی چارہ گری کی سعی کرنا نہ صرف انتہا درجہ کی حمیت دشمنی بلکہ شدید ترین نتائج سیئہ کا باعث ہے۔ اس لئے یہ راہ کبھی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں شاردا ایکٹ کی یاد بھی تازہ ہے۔ انہیں ضرور یہ بھی یاد ہوگا۔ کہ علمائے کرام کی ایک جماعت کثیر شاردا ایکٹ کو مصالح ملیہ کے لئے مفید سمجھنے کے باوجود اسے قبول کرنے سے انکار کرتی تھی۔ مجھے معاف کیا جائے۔ اگر میں یہ عرض کروں کہ موجودہ مسئلہ میں حکومت سے ایک قانون بنانے کا مطالبہ بھی ایسا ہی مطالبہ ہے جو اپنے نتائج کی دور رسی کے لحاظ سے کہیں زیادہ وسیع اور کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ اسلئے اس مطالبہ سے جس قدر بھی جلدی ہم لوگ دست بردار ہوجائیں اسی قدر بہتر ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک مسلمان کو مسلمان ہوتے ہوئے اپنے عوارض کے لئے صرف کتاب وسنت ہی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہے۔

لیکن آج ہماری سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا فریق اس راہ سے بہت دور جا پڑا ہے۔ اس کے نزدیک فکرو اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوچکا ہے ضروریاتِ حاضرہ کے پیش نظر فقہ جدید کی تدوین یک طرف۔ ان حضرات کے عقیدہ میں قدیم فقھوں میں عندالضرورت ترمیم وتنسیخ یاحک واضافہ کا خیال بھی گناہِ عظیم ہے۔ اور معاملہ یہی تک ختم نہیں ہوجاتا۔ بلکہ اس گروہ کے خیال میں قول راجح دیکھنے کا حق بھی بجز چند نہایت ہی مخصوص صورتوں کے اس بدنصیب امت کو حاصل نہیں اور اس چار دیواری سے باہر قدم رکھنا ہی جو

فقہائے متاخرین کی چند کتابوں کو چن کر بنادی گئی ہے۔ ناقابل معافی جرم ہے ------۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی یہ شریف ولطیف مخلوق یعنی عورت ۔ تمام جائز اور فطری حقوق سے یکسر محروم ہو گئی ۔ ابتدا زمانہ میں فقہائے متاخرین کے فیصلے اصلی مرکز سے اور زیادہ دور جا پڑے ۔ ہندوستان میں ہندوولااور ہندو رسوم وآئین کی پیدا کردہ فضانے عورت کی اس مظلومیت کو اور زیادہ کردیا اور عورت حقوقِ وراثت تک سے جو مذاہب کی تاریخ میں اسلام کی مخصوص اور مستثنیٰ خصوصیت تھی محروم ہو گئی ۔ اور اب عہد حاضرہ کے جمود دماغی نے اسے ایک لاعلاج مرض کی شکل دے دی ہے ۔ موجودہ عدالتوں میں مسلمانوں کے پرسنل لاء کی ساری متاع متاخرین فقہا کی چند کتابیں ہی رہ گئی ہیں۔ اس لئے وہ بھی عورت کو روز افزوں تکالیف کا علاج کرنے سے قطعاً قاصر ہیں۔

پس عورت جب اپنے آپ کو مرد کے ظالمانہ پنجوں میں اس قدر مجبور محصور پاتی ہے تو وہ اپنی مخلصی کے لئے سایۂ عاطفت محمدی چھوڑ کر دوسرے گوشوں میں پناہ لیتی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تدبیر (فسخ نکاح کے لئے تبدیل مذہب) بھی کتب فقہ کے باب الحیل میں سے ایک انتخاب کردہ حیلہ نہیں ؟

پس میں پورے ادب اور پورے زور کے ساتھ عرض کروں گا کہ اس فتنہ کی روک تھام کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ حکومت وقت کے پاؤں پڑکر ایک قانون بنوالیا جائے ۔ اول تو علمائے کرام کی طرف سے ایسا مطالبہ شریعت کاملہ اسلامیہ کی توہین ہے ۔ کیونکہ یہ مطالبہ نئے قانون کا مطالبہ نہ ہوگا بلکہ یہ شریعت حقہ اسلامیہ کے نقص وخامی کا کھلا ہوا اعتراف ہوگا۔ دوسرے شریعت اسلامی کبھی گوارا نہیں کرسکتی کہ آپ اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کا دروازہ کھٹکھٹائیں تیسرے اسمبلی میں جو قانون بھی مرتب ہو کر منظور ہوگا۔ اس کی بنیاد کچھ نہ کچھ ضرور مغربی اصولوں پر رکھی جائیگی ۔ جو ہمارے لئے مفید نہ ہوگی ۔ نیز ایسا قانون بنوا کر آپ فتنہ کا ایسا باب کھول دینگے جو ہزاروں ایسی برائیوں کو پیدا کرنے والا اور امت مسلمہ کے وجود ناتواں کے لئے بمنزلہ ناسور کے ثابت ہوگا۔ خدارا آپ تھوڑی دیر کے لئے غور کریں کہ اگر آپ کی یہ مشکل بغیر انگریزی حکومت کے تیارہ کردہ قانون کے حل ہو نہیں سکتی ۔ تو آپ کی اس قسم کی دوسری صدہا مصیبتوں اور کشمکشوں کا کیا بنیگا جو وجودِ ملت کو گھن کی طرح کھارہی ہیں؟ کیونکہ ایسی تمام صورتوں میں خدا اور رسول کا دیا ہوا قانون آپ کے ہاتھوں بے کار ثابت ہورہا ہے ۔ کیا ایسے ہر مقام پر آپ اس خدائی قانون وشریعت کو چھوڑ کر حکومت سے قانون بنواتے چلے جائینگے ۔ تاآنکہ شریعت بالکل ختم ہوجائے ------------------

کیا آپ بھی ہندوؤں کی طرح حکومت وقت سے استمداد حاصل کرینگے ۔ اور اس چیز کو عملاً تسلیم کرینگے کہ ہندو مذہب کی طرح آپ کی شریعت کا دامن بھی ان چیزوں سے خالی ہے ۔ غرضیکہ آپ کی مصیبتوں کا کبھی اور کہیں خاتمہ نہ ہوگا------------------

فرض کرو کہ آپ ایسا قانون بنوانے میں کامیاب ہوگئے تو کیا آپ اس قانون کے ذریعہ مردوں کی بے راہ روی ۔ ان کی بے روک نفس پرستی اور ہوسناکی ۔ ان کے غیر محدود تفوق وبرتری کے خلاف اسلام اعتقاد کو بھی روک سکیں گے ؟ جس نے گھر کی چار دیواری کو عورت کے لئے خوفناک قید خانہ بلکہ جہنم بنا رکھا ہے ۔ جس نے ہماری منزل زندگی کو بالکل تباہ وبرباد کر رکھا ہے اور جس نے آج ہماری اجتماعی (سوشل) زندگی پر ایک گونہ موت طاری کر رکھی ہے ------

میں کہتا ہوں کہ یہ فتنہ ان حالات کا قدرتی اور طبعی نتیجہ ہے جو آپ نے صدیوں میں اپنے گردوپیش جمع کر رکھے ہیں۔ یہ خدا کا وہ قانون انتقام ہے ۔ جو مسلمانوں کی اس بد اعمالی کی پاداش میں جو وہ عورت کو اس کے تمام جائز فطری خدا کے بخشے ہوئے حقوق سے محروم کردینے کی شکل میں کررہے ہیں اس عذاب الہیٰ کی صورت میں نازل ہورہا ہے ------------

ضروریات ومقتضیات معاشری ومعاشی کے پیش نظر مرد کو کار فرمائی اور سربراہی کا اعزاز بخشا گیا تھا جو غصب حقوق اور تظلم کی شکل اختیار کرگیا۔ بدنصیب مسلم عورت بدترین قسم کی لونڈی متصور ہونے لگی۔ مرد نے جہاں اپنی خود غرضانہ کام جوئیوں کے لئے اپنے اوپر تفریق اور تبدیلی کی تمام راہیں کھول رکھی ہیں۔ وہاں غریب عورت پر علیحدگی اور تفریق کے وہ تمام جائز اور فطری دروازے بھی بند کردئے ہیں۔ جو اسلام نے اس پر کھولے تھے۔ عورت جب اپنے منزلی حالات سے مجبور ہو کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے تو وہ قانون بھی جو عدالت انگریزی کے اندر پرسنل لاء کہلاتا ہے اس کی دستگیری سے قاصر رہتا ہے ۔ لامحالہ اسے دوسری راہوں کی تلاش کرنی

پڑتی ہے ۔ پس یہ خدا کے اٹل قانون انتقام کے عین مطابق ہے ۔ جو ہمیشہ مختلف حالات میں نسلِ انسانی پر اس کی بد اعمالیوں کے مطابق مختلف شکلوں میں نازل ہوا ہے ۔

میں یہ پوچھتا ہوں کہ جب آپ عورت پر ناموافق مصاحبت سے مخلصی اور نجات کی تمام راہیں بند کرتے ہیں تو کیا نیت کی ایک قید لگا کر آپ اس پر اسلام کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند نہیں کررہے ؟ موجودہ صورت میں کم از کم پچاس ساٹھ فی صد کیسز ضرور ایسے ہیں جو اس حیلہ سے طلاق حاصل کرنے کے لئے بعد اسلام کی مقدس آغوش میں پھر واپس آجاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کے مطالبہ کے مطابق نیت ہی مدارِ فیصلہ قرار پائیگی تو ایسے پچاس فیصدی کیسز کی واپسی بھی ناممکن ہوجائیگی ۔ یہ فطرت کی وہی بغاوت ہوگی۔ جس پر آپ اسے ضرورت سے زاید دبا کر باکرہ مجبور کرینگے۔-----------------------------

وہ حقوق جو مرد نے ازراہِ جبر و تشدد غصب کردیئے ہیں عورت کو واپس دلائیں۔ ناموافق اور ناساز گار ازدواجی زندگی کی صورت میں عورت پر سابقہ پیوند سے مخلصی اور نجات اور آئندہ آزادانہ حق انتخاب کی تمام راہیں کھول دینی چاہئیں۔ علمائے اسلام کو نہایت آزادی کے ساتھ متفقہ طور پر اس امر کا اعلان کرنا چاہیے کہ آئندہ کے لئے نکاح وطلاق وغیرہ معاملات میں ان کا مدار عمل فقہ کی وہ چند کہنہ جزئیات نہ ہوں گی جو اسلام کی دعوت کے کئی سوسال بعد بعض مخصوص حالات کے ماتحت چند دماغوں نے ترتیب دے دیں۔ اور جنہیں آج وقت ومتقضنیاتِ وقت نے بالکل بے کار بلکہ مضر ثابت کردیا ہے۔"

(7)

سید مقبول احمد صاحب ۔ مولانا عبدالماجد صاحب اور مولوی محی الدین صاحب جیسے اصحاب کی ذہنیت کو مدنظر رکھ کر لکھتے ہیں:

"جناب محمد ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک طرف حاملِ اسلام تھے تو دوسری طرف وہ عرب قوم کے صاحبِ شریعت وامر بھی تھے۔ جو قرآن ان کو دیا گیا اس کا ایک حصہ اگر مذہب اسلام کے عالمگیر معرفت اعتقاد سے مخصوص تھا تو دوسرا حصہ ملت عرب کے احیاء دنیوی کے لئے مگر ہم نے کبھی اس پر غور نہ کیا کہ ایک کا مخاطب تمام عالم ہے اور دوسرے کا صرف اس زمانہ کے عرب یعنی اس کا ایک حصہ ازلی وانتہائی پہلو لئے ہوئے تھا۔ جس میں عبادت حق خدمت حق تزکیہ نفس اعتقاد توحید ومعاد پر مشتمل تھا اور دوسرا حصہ زمانی ومکانی یعنی وقتی وعرب کے لئے مخصوص تھا۔ جس میں طہارتِ جسم ولباس ۔معاشرت کے بعض اصول مثلاً اذن لے کر دوسرے کے گھروں یا خلوت میں جانا۔ عورتوں کو بے حیائی کے ساتھ مردوں کے سامنے آنے کی ممانعت وراثت ۔ ازدواج وطلاق یا تعزیرات مثلاً قطع ید سارق وغیرہ کو محض بطور احسان مزید کے بتادیا اور نہ الہام درحقیقت ان معاملات کی تعلیم کے لئے مکلف نہیں۔" (رسالہ نگار ماہ مئی 1928ء)۔

حضرت نیاز مدیر رسالہ نگار فرماتے ہیں" ہر ترقی کرنے والے مذہب کی جان وسعتِ نظر وخیال ہے ۔ یعنی جب تک اس کی آغوش وسیع نہ ہوگی ترقی ممکن نہیں اور اسکے آغوش کی وسعت یہی ہے کہ شروطِ مذہب کو آسان اور پابند یوں کم کیا جائے ۔ نام ومقام وضع ولباس۔ معاشرت ومعیشت وغیرہ سب سے بے نیاز ہو کر اسلام کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہیے ۔" (رسالہ نگار مئی 1928ء)۔

پس روشن خیال مسلمان ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں کہ قرآنی شرائع ملک وقوم عرب سے مختص ہیں اور ان کا اطلاق دنیا کے دیگر ممالک پر نہیں ہوسکتا ۔ بالفاظِ دیگر قرآنی احکام اور اسلامی شریعت میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے ۔

فصل ہفتم

قرآن غیر مکمل کتاب ہے

ہم نے اپنی کتاب " مسیحیت کی عالمگیری " کے باب دوم میں مسیحیت کی جامعیت پر مفصل بحث کی ہے اور اپنی کتاب " کلمتہ اللہ کی تعلیم " میں شرح اور بسط کے ساتھ انجیل جلیل کی تعلیم کے اصول پر نظر کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحیت ایک جامع مذہب ہے ۔ اور کلمتہ اللہ کے اصول کامل اور عالمگیر ہیں اور دنیا کے ہر ملک وقوم کے رہنما ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(2)

اہل قرآن کے دعاوی

اس کے برعکس جب ہم قرآن شریف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ وہ ایک غیر مکمل کتاب ہے ۔قرآن تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ "ہر شے کی تفصیل ہے " (یوسف 111)۔ اس میں ہر ایک چیز کو ہم نے (خدا نے)کھول کر بیان کردیا ہے "(بنی اسرائیل 13)۔ اسی نے (خدا نے) تمہاری طرف (اے محمد) مفصل کتاب نازل کی ہے۔" (انعام 115)جو ہر ایک چیز کو بیان کردینے والی ہے۔" (نمل 89)ان دعاوی کا مطلب صاف ہے کہ اس کتاب میں ہر شے کی تمام تشریحات اور تفصیلات موجود ہیں۔ لیکن مضامین کتاب ان دعاوی کی تصدیق نہیں کرتے۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ باستثنائے چند افراد تمام دنیا کے مسلمان مانتے ہیں کہ " قرآن شریف کو سمجھنے کے لئے ہم حدیث کے محتاج ہیں۔" (مقام حدیث صفحہ 22)۔اہل اسلام میں مٹھی بھر آدمی ہیں جو قرآن کی مذکورہ بالاآیات کو اپنی خوش فہمی کی وجہ سے حق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں " حدیث کی تشریح و تفصیل کتاب المجید کے سراسر خلاف ہے -----۔ وہ ایک نہایت ہی کریہ النظر بد صورت ۔زشت رو۔ بدشکل مصنوعی چیز ہے اس کو رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خود غرض لوگوں نے از خود یہ ہزلیات گھڑ لیں اور سیاہ دلی سے ان کو ناحق محمد ﷺ کے ذمے لگادیا ہے ۔ یہ کام زیادہ تر بعض یہودی و نصاریٰ دشمنان اسلام 1* کا معلوم ہوتاہے۔ جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی کی یہ بہترین راہ سوچی کہ وہ مسلمانی کے لباس میں لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف سے ہٹا کر اور طرف لگادیں"(مولوی عبداللہ چکڑالوی درالزکواۃ والصدقات صفحہ 12)۔ "قرآن مجید جملہ احکام وتمام مسایل دینِ اسلام کے بارہ میں مباح تک بھی ہر طرح کامل ۔مکمل مفصل مشرح کافی شافی وافی عافی ہے ۔(مناظرہ مابین مولوی عبداللہ چکڑالوی ومولوی ابراہیم سیالکوٹی صفحہ 18)۔ "اسلام کی ہر ایک چیز من کل الوجود مفصل ومشرح طور پر بیان کی گئی ہے تواب وحی خفی یاحدیث کی کیاحاجت رہی بلکہ اس کا ماننا اور دین اسلام میں اس پر عمل درآمد کرنا سراسر کفر شرک ظلم فسق ہے ۔" (مناظرہ صفحہ 19)۔ چونکہ یہ کتاب (قرآن)جامع تربیت جسمانی وایمانی ہے پس جو مسائل تکمیل تربیتِ جسمانی وایمانی کے لئے ضروری اور لابدی ہیں وہ سب کے سب قرآن مجید میں مشرح اور مفصل ہیں۔ مثلاً عبادت (مالیہ ۔بدنیہ ۔مرکبہ ۔ اعتقادیہ ۔ قولیہ ۔ عملیہ ۔ عموماً وخصوصاً)سب معاملات وفروع اعتقادیات وعملیاتِ وغیرہ وغیرہ "(ترجمتہ القرآن بایات الفرقان مصنفہ مولوی عبداللہ چکڑالوی جلد اول صفحہ 3)۔ کلام اللہ جو حضور سرورِ کائنات ﷺ کی طرف وحی کیا گیا ایک ایسا مبین ومفصل دستورات العمل ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی اوروحی کی مطلق ضرورت نہیں رہتی ۔" (دیباچہ برہان القرآن مناظرہ مابین مولوی ثناء اللہ اور مولوی احمد دین۔

1* شاید یہ فقرہ اس قرآنی آیہ کی تفسیر القرآن بایات الفرقان ہے جس میں ذکر ہے ۔لتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوالذین قالوا انا نصریٰ۔ یعنی تم سب لوگوں میں دوستی کے اعتبار سے مسلمانوں سے ان کو قریب تر پاؤ گے جوکہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں (مائدہ ع 11)۔

(3)

قرآن غیر قرآن کا محتاج ہے

جس شخص نے قرآن کو سرسری نظر سے بھی دیکھاہے وہ جانتاہے کہ اہل قرآن کے یہ جملہ دعاوی کلیتہً غلط اور محض بے بنیاد ہیں ۔ چنانچہ خود علمائے اسلام نے صرف مثال کے طور پر چند ایک مسائل مرحوم مولوی عبداللہ صاحب اور ان کے ہم خیالوں کے پیش کئے اور پوچھا کہ بتلاؤ ان کا ذکر مفصل اور مشرح طور پر قرآن میں کہاں ہے ۔ مثلاً انہوں نے دریافت کیا کہ نماز کے فریضہ کی تفصیل قرآن میں کہاں آئی ہے ۔ یعنی نماز کتنی دفعہ اور کس کس وقت پڑھنی چاہیے مختلف نمازوں کی رکعتوں کا تعین کیاہے ۔ سجدوں کی تعداد کیاہے ۔ تکبیر کہتے وقت کان پکڑنے کا حکم کہاں ہے ۔ وغیرہ وغیرہ لیکن صرف نماز کی تشریح کے مولوی عبداللہ صاحب کو چار سو سے زائد صفحوں کی کتاب" برہان الفرقان علیٰ صلواۃ القرآن "لکھنے کی ضرورت لاحق ہوئی ۔ جس ایسے مضحکہ خیز دلائل دیئے گئے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم دیتا تو یقیناً یہ خیال کیا جاتا کہ وہ قرآن کی ہنسی کررہاہے ۔ مثلاً تکبیر کے وقت کان پکڑنے کی نسبت آپ نے قرآنی آیت فصل الربک والنحر (کوثر

آیت 2) کو پیش کیا۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے "نماز پڑھ اپنے رب کی اور قربانی کر" لیکن مولوی صاحب مرحوم اس کا یہ ترجمہ کرتے ہیں "تواپنے رب کی نماز پڑھا کر خاص کر (اپنے وجود کے)اونٹ (کان) کو ذبح (ذلیل وحقیر یعنی پکڑا) کر ہر تکبیر کے ساتھ" (تفسیر القرآن بایات الفرقان جلد سوم صفحہ 45)۔مرحوم کا مطلب یہ ہے کہ " نحر" اونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں مگر یہاں ذکر اونٹ کی قربانی کا نہیں بلکہ مراد اس اونٹ کی قربانی سے ہے جو انسان کے وجود میں ہے ۔ انسانی وجود کا یہ اونٹ انسان کا کان ہے کیونکہ جس طرح اونٹ سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح کان سے بھی بہت نفع پہنچتا ہے ۔ اور کان کے ذبح کرنے سے مراد اس کا ذلیل کرنا یعنی پکڑنا ہے پس ثابت ہوگیا کہ نماز میں ہر تکبیر کے وقت کان پکڑنے کا حکم مفصل اور مشرح ہے ۔(صفحہ 295 تا 308)۔کیا کبھی کسی غیر مسلم نے قرآن کو کبھی اس طرح شکنجہ میں کھینچا ہے ؟

(4)

مولاناثناء اللہ صاحب نے مولوی احمد الدین صاحب امرتسری سے مخاطب ہوکر بیت المقدس یروشلم کے قبلہ ہونے کی متعلق آیت ماجلعنا القلبة التی کنت علیھا یعنی" اے محمد جس قبلہ بیت المقدس پر تو تھا ہم نے اس کو اس لئے مقرر کیا تھا تاکہ تابیعن کو غیر تابیعن سے جدا کردیں" (بقر آیت 138)۔ پیش کرکے کہا" مجھ ناقص العلم کو قرآن مجید میں ایسا کوئی فقرہ نہیں ملتا جس میں یہ حکم ہو کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھو جس سے اس حکایت کا حکمی عنہ مل سکے ۔آپ قرآن مجید میں ان احکام کی تلاش میں کامیاب ہوجائیں تو میں آپ کی اطلاع پہنچنے پر مشکور ہونگا۔--۔قرآن مجید میں کتے کی حرمت کے لئے کوئی خاص حکم نہیں۔ شاید آپ تلاش میں کامیاب ہوجائیں ۔" (برہان القرآن صفحہ 9)۔ سوال اول کے جواب میں مولوی احمد الدین صاحب نے دانیال نبی کی کتاب کا حوالہ دیا جوقرآن میں نہیں ہے ۔ اور کتے کے حرام ہونے کے بارے میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ہم ان مولوی صاحب کی دلیل درج کرتے ہیں "خدا تعالیٰ نے حرمت کی دووجہیں بتائی ہیں۔ ایک رجس ہونا دوسرا فستق ہونا۔--------قرآن پاک کا یہ بیان صرف اسی صورت میں ثابت ہوسکتا ہے کہ اگر اہل کتاب فاسق ہوں اور شکاری جانور رجس سمجھے جائیں ۔ اہل کتاب کا فسق 1*ثابت ہے۔ پس اس سے شکاری جانوروں کا خود رجس ہونا بھی لازم آتا ہے ۔اور رجس کو خدا تعالیٰ نے حرام کیا ہے ۔ پس صرف ایک کتا ہی حرام نہیں بلکہ تمام ذی ناب اور ذی مخلب حرام ہیں۔"(برہان القرآن صفحہ 20و21)۔

1* یہ شاید اس آیہ قرآنی کی مولویانہ تفسیر القرآن بایات الفرقان ہے جس میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل اذکرو نعمتی التی انعمت علیکمہ وانی فضلتکمہ علی العالمین "اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں تم کو بخشی اور یہ کہ سارے جہان کے لوگوں پر میں نے تم کو بزرگی عطا کی آپ قرآنی آیت بھول گئے ۔ افمن کان مومناً کمن کان فاسقا لایستون " بھلا جو شخص مومن ہے کیا اس کے برابر ہوجائیگا جو فاسق ہے ؟نہیں ہر گز نہیں ہوسکتے (سجدہ آیت 18)۔

(5)

اسی طرح مرحوم مولوی عبد اللہ صاحب سے کہا گیا کہ قرآن سے دکھلاؤ کہ گدھا حرام ہے ۔ اس پر آپ نے یہ دلیل سنائی ۔ "جو چیز رجس ہو یا فاسق وہ حرام ہے اور مطابق آیت مثل الذین حملواالتوارۃ ثمہ لمہ لحلموھا کمثل الحمار (یعنی ان کی مثال جن پر توریت لادی گئی پھر اسے انہوں نے نہ اٹھایا گدھے کی سی مثال ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے (جمعہ آیت 5)کے گدھا بھی رجس میں داخل ہے کیونکہ مکذبین کتاب اللہ کو اس کے ساتھ تمثیل دی گئی ہے ۔" اشاعت القرآن صفحہ 32)۔ لیکن اس آیہ شریفہ میں گدھے کو حرام نہیں بتلایا گیا بلکہ توارۃ شریف کے جھٹلانے والوں کو بوجھ اٹھانے کے لحاظ سے ایک گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ گدھے کا کام بوجھ اٹھانا ہے ۔ قرآن اپنی مثال کے لئے کس اور لادو جانور مثلاً اونٹ وغیرہ یا کسی انسان حمال وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہے ۔ اس لحاظ سے مرحوم مولوی صاحب کی دلیل کے مطابق اونٹ اور انسان حرام اور ناپاک ثابت ہوجاتے ! مولوی صاحب اپنی خود ساختہ تفسیر کے خیال میں ایسے مگن ہیں کہ وہ تاریخی حقیقت بھول گئے کہ یہ آیت مدنی ہے اور مسلمان فتح خیبر تک گدھے کا گوشت برابر کھاتے رہے۔ آپ کو اس بات کا بھی خیال نہ رہا کہ اگر گدھا رجس ہے تو اس کو چھونا ۔ گھر میں بطور پالتو جانور رکھنا ۔ اس پر سواری کرنا اس پر بوجھ لادنا سب حرام ہوئے بلکہ جو بوجھ از قسم اناج اشیائے خوردنی وغیرہ اس پر لادا جائے وہ بھی ناپاک ہوئے۔

مندرجہ بالا دلائل کو پڑھ کر جن کا علم منطق وفلسفہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہم کو غریب جماعت اہل قرآن کی بے بسی اور بیچارگی پر ترس آتا ہے ۔ وہ قرآن کی حمایت میں اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر عقل سلیم کو پائمال کرتے ہیں تاکہ کسی نہ کسی طرح سے ان کے دل کی حسرت

نکل آئے اور قرآن ایک کامل اور مفصل کتاب ثابت ہوجائے ۔ کیونکہ ان کے نزدیک "قرآن مجید کو مجمل کہنا اس کو کلامِ غیر اللہ ثابت کرنا ہے ۔" (ترجمتہ القرآن بآیات الفرقان مصنفہ مولوی عبداللہ چکڑالوی جلد اول صفحہ 210)لیکن ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

(6)

سرسید احمد نے مرحوم نے بھی کوشش کی کہ قرآن کو کامل کتاب سمجھیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں " میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کی اور چاہا کہ قرآن ہی سے سمجھنا چاہیے کہ اس کا نظم کن اصولوں پر واقع ہوا ہے اور جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے پایا کہ جو اصول خود قرآن مجید سے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں نہ اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے ۔ پھر میں نے انہیں اصول پر ایک تفسیر قرآن مجید کی لکھنی شروع کی ۔" لیکن یہ کوشش نہ باور ہوسکتی تھی اور نہ ہوئی کیونکہ سرسید کے عقیدت مند دوست مرحوم نواب الحسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں کے الفاظ میں " آپ نے قرآنی آیتوں کو ایسا ماوّل کردیا ہے کہ وہ تاویل ایسے درجے پر پہنچ گئی کہ اس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہوسکتا۔۔۔۔ نہ سیاق کلام نہ الفاظ قرآنی نہ محاورات عرب سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔" (تحریر فی اصول التفسیر صفحہ 3وصفحہ 13وغیرہ)۔

(7)

انگریزی زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ جس جگہ فرشتے چلنے سے گریز کرتے ہیں وہاں بےوقوف کود پڑتے ہیں ۔ پس جائے حیرت نہیں کہ جس بات کو سرسید مرحوم جیسی زبردست ہستی نہ نباہ سکی وہاں مرزا غلام احمد قادیانی جیسے خام خیال تحدی کرنے سے نہ جھجکے ۔ یہ پُرلطف قصہ یوں ہے کہ ایک صاحب مولوی امام الدین نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ قرآن بذات خود کامل کتاب نہیں ہے بلکہ مجمل ہے اور تفصیل وتشریح اور کامل ہونے کے لئے بائبل شریف کی محتاج ہے کیونکہ بائبل مقدس کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو اس میں نہیں پائے جاتے ۔ اس پر آنجہانی مرزائے قادیانی نے بطور تحدی مولوی صاحب مرحوم کولکھا کہ " آپ کے لئے یہ طریق بہتر ہے کہ چند پاک صداقتیں کسی پہلی کتاب کی جو آپ کے گمان میں قرآن میں نہیں پائی جاتیں اس عاجز کے سامنے پیش کریں پھر اگر یہ عاجز قرآن شریف سے وہ صداقتیں دکھلانے میں قاصر رہا توآپ کا دعویٰ خود ثابت ہوجائیگا ۔ اس کے جواب میں مولوی امام الدین مرحوم نے صرف توریت مقدس کو سامنے رکھ کر مرزائے قادیانی کولکھا"امام الکتب والناس توریت مقدس کے ہر پانچ حصص میں شرائع منزل من اللہ بہت سی ایسی ہیں جن کی نسبت یقین کامل رکھتا ہوں کہ وہ قرآن عربی میں پائی نہیں جاتی ۔ازاں جملہ چند مسائل شرعیہ آپ کی درخواست پر ذیل میں لکھے جاتے ہیں :

(1)جو کوئی شخص کسی ایسی عورت کے ساتھ وطی کرے کہ جس کے ساتھ وطی کرنی کسی طرح سے بھی جائز نہیں ہوسکتی مثلاًماں۔ بہن وغیرہ سے تو ایسے شخص کی سزا کیا ہے ؟

(2)جو شخص وطی فے الدبر کرے یا کروائے تو اس کی سزا کیا ہے ؟

(3)جو کوئی مرد کسی حیوان سے وطی کرے تو اس کی سزا کیا ہے ؟

(4)جو کوئی عورت کسی حیوان سے وطی کراوے تو اس کی سزا کیا ہے ؟

(5)انسان کے جسم کے اعضا میں سے ایسے ایسے اعضاء کون کون ہیں کہ جن کو دوسروں کی نظروں سے چھپانا چاہیے ؟

(6)پانی کی مقدار ایسی کونسی ہے کہ جس میں اگر کوئی نجس شے پڑجائے تو بھی پانی کو پلید نہ سمجھا جائے ؟

(7)ظروف گلی یامسی یا چوبی وغیرہ اگر ناپاک ہوجاویں تو ان کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟

(8)چارپایوں میں سے مثلاً کتا ۔ بلا اور اونٹ گھوڑا اور پرندوں میں سے مثلاً چیل۔ کوا اور کونج اور بط اور حشرات الارض میں سے مثلاً چوہا اور گوہ اور جانوران آبی میں سے مثلاً مگر مچھ وغیرہ حلال ہیں یا حرام ؟

(9)ذبح کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟ یعنی کس طرح اور کس جگہ سے کس قدر کاٹا جاوے؟ اور اگر تمام کاٹا جاوے تو اسکے لئے کیا حکم ہے ؟

(10)حیض کے دنوں کی تعداد بھی کچھ ہے یا کہ نہیں؟ تاکہ معلوم ہو کہ عورت حیض سے کتنوں دنوں کے بعد پاک سمجھنی چاہیے ؟

(11) نفاس کے احکام اور اس کے دنوں کی تعداد کہ جن کے بعد عورت نجاست سے پاک ہوسکتی ہے کیا ہے ؟

(12)ختنہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر کرناچاہیے تو کب اور کس موقع سے اور کس طرح سے کیا جاوے؟

(13)جو کوئی شخص خیانت کرے تو اس کی سزا کیا ہے ؟

(14)زکواۃ نقد اور مویشی اور غلات اور اثمار کی کس کس وقت اور کس کس قدر ادا کرنی چاہیے ؟

(15) کنجری کے نکاح کرنے سے جو بچہ پیدا ہووہ خدا پاک کی جماعت میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

اب متقضائے حمیت یہ ہے کہ مسائل مندرجہ صدر میں سے جوجو مسئلہ جس جس آیت قرآن عربی میں منصوص ہو اس اس آیت نص کو نقل کرکے بھیجیں "(خط وکتاب با مرزا غلام احمد قادیانی صفحہ 23تا25)۔ جب مرزا صاحب کو یہ خط ملا تو بے اختیار نے زبانِ حال سے فرمایا ۔ جل تو جلال تو ۔آئی بلا کو ٹال تو ۔ آپ نے اپنے فرشتے ٹیچی ٹیچی سے الہام پا کر بیماری کا عذر کرکے بات ٹال دی اور 30 ستمبر 1889ء میں مولوی صاحب کو لکھا کہ انشاء اللہ میرا ارادہ ہے کہ براہین احمدیہ کے کسی محل پر آپ کا جواب الجواب لکھوں" ۔ مولوی صاحب مرحوم نے آٹھ برس انتظار کرکے 2 نومبر 1897ء میں پھر ایک لمبا چوڑا بیس صفحے کا خط مرزا جی کو لکھا لیکن آنجہانی نے ایسی چپ سادھ لی کہ مرگئے لیکن زبان نہ کھولی ۔ سچ ہے ۔ ایک چپ ہزار بلا کو ٹالتی ہے۔

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے
کہ حشر تک جاگنا قسم ہے

(8)

مندرجہ بالا سطور میں علمائے اسلام نے صرف وہ مسائل پیش کئے ہیں جن کا تعلق امور شرعیہ کے ساتھ ہے اور جن کی نسبت وہ خود تحدی کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآن میں درج نہیں ہیں۔ چونکہ اہل اسلام کا دل اور دماغ زیادہ تر شریعت کی سطح پر ہی رہتاہے لہذا ان علماء نے اپنی تحقیق کو شرعی امور تک ہی محدود رکھا لیکن اگر وہ شریعت کی سطح سے بلندپروازی کرکے روحانیت کی جانب متوجہ ہوکر معرفت الہیٰ کے اعلیٰ اصول کو قرآن میں تلاش کرنے کی زحمت اٹھاتے تو ان پر یہ اظہر من الشمس ہوجاتا کہ سارے کا سارا قرآن اعلیٰ اصولوں سے سراسر خالی پڑا ہے ۔ قریباً ساٹھ سال کا عرصہ ہوا۔ مرحوم پادری جی ۔ ایل ۔ ٹھاکر داس صاحب نے اپنے رسالہ "عدم ضرورتِ قرآن" میں مفصل طور پر اس مضمون پر بحث کرکے علمائے اسلام کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن کی وہ آیات پیش کریں جہاں ان روحانی اصول کا ذکر ہے ۔ جو بائبل شریف میں موجود ہیں۔ چونکہ اس بحث کو طول دینا تحصیل حاصل ہے لہذا ہم ناظرین کو اس کتاب کی جانب متوجہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(9)

حدیث قرآن کی کمی کو پورا نہیں کرسکتی

جب سے مولوی محمد علی صاحب ۔ ایم ۔ اے نے قادیان کی تاریک چار دیواری سے (جہاں علم وعقل کا دم گھٹتا ہے) نکل کر لاہور کی علمی فضا میں سانس لینا شروع کیا ہے آپ نے اپنے پیر "حضرت اقدس مسیح موعود ۔ مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کرشن ثانی" کی بعض باتوں اور فاسد عقیدوں سے عملاً توبہ کرلی ہے ۔سطور بالا میں آنجہانی مرزا صاحب کے الفاظ درج کئے گئے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کے خیال میں قرآن ایک مفصل اور کامل کتاب ہے جو غیر قرآن کی محتاج نہیں۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب ایم ۔ اے اپنی کتاب" مقام حدیث" میں دبی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ قرآن کامل کتاب نہیں (تیسرا باب) اور کہ قرآن غیر قرآن کا محتاج ہے اور رکھتے ہیں " کامل مکمل مفصل ومشرح کافی وافی عافی " کتاب کیا کرتی ہے کہ جو اصل باتیں تفصیل کرنے کے قابل ہوتی ہیں انہی کو چھوڑدیتی ہے ؟" باستثنائے اہل قرآن تمام علمائے اسلام بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن غیر قرآن کا محتاج ہے چنانچہ " حدیث معاذ وغیرہ کے مطابق اہل حدیث صاحبان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کسی فیصلہ کرنے کے لئے پہلے قرآن مجید سے حکم تلاش کرنے چاہئیں۔ اگر قرآن مجید میں نہ ملیں توحدیث کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے اور اگر حدیث میں بھی اس کے متعلق احکام نہ ہوں تو اجتہاد رائے کے اصول پر عمل کرنا لازم " (برہان القرآن صفحہ 40)اللہ اکبر ۔

چہ شکرہاست دریں شہر کہ قانع شدہ اندر
شاہبازان طریقت بہ شکارے مگسے

پس باستثنائے چند افراد روئے زمین کے مسلمان یہ اقبال کرتے ہیں کہ قرآن شریف غیر قرآن کا محتاج ہے ۔اب سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ وہ "غیر قرآن" کیا شے ہے ؟اہل اسلام کہتے ہیں وہ حدیث ہے لیکن ساتھ ہی حدیثوں کے ایک بڑے حصے کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں ۔ اگرچہ اہل اسلام نے نہایت احتیاط کے ساتھ احادیث کی تنقید کی ہے اور اصول تنقید ۔ علم جرح (راوی کو بے اعتبار ثابت کرنا)اور تعدیل (اس کو قابل اعتبار ثابت کرنا)علم اسم الرجال وغیرہ کو ترتیب دے کر نہایت جانفشانی کے ساتھ محنت شاقہ کرکے جھوٹی اور سچی روایات اور احادیث میں تمیز کرنے کی کوشش کی ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ صحاح ستہ کے مجموعہ کی احادیث قابل اعتبار ہیں بالخصوص امام بخاری کے مجموعہ احادیث کو قرآن کے بعد اصح الکتب قرار دے دیا ہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ جب غیر مسلم صحاح ستہ کی کتب اور امام بخاری کی سند پر احادیث کا حوالہ دے کر اسلام پر اور رسول عربی کی زندگی پر کوئی کتاب لکھتے ہیں تو ان کو "شاتم رسول "کہہ کر دیا جاتا ہے۔چنانچہ مرزا احمد سلطان صاحب نے اپنی کتاب" ہفوات المسلمین " (تراہا بہرام خاں گلی مفتیاں - دہلی) میں امام بخاری وغیرہ کی چند احادیث جمع کی ہیں۔ اپنی کتاب کے دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں " اہل سنت کی کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جس میں خدا اور انبیاء اور رسل کی تفضیح نہ ہو اور سب سے زیادہ تفضیح حضور المرسلین و تقبیح امہات المومنین کی کتب اسلامی میں ہے۔۔۔ تھوڑے تھوڑے رنگارنگ کے نمونے اس غرض سے پیش کئے جاتے ہیں کہ ہمارے غیور مسلمان ان روایات اوحادیث واہیہ وکاذبہ کو کتبِ اسلامی سے خارج کریں" (صفحہ 2) سچ تو یہ ہے کہ غیور مسلمان تو یک جارہے ہر سلیم ذوق والا انسان امام بخاری وغیرہم کی بعض احادیث کو پڑھ کر شرم کے مارے سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خود راقم الحروف کو اپنی کتاب "محمد عربی" کو تالیف کرتے وقت امام بخاری کے مجموعہ کو بغور مطالعہ کرنے کا ناگوار اتفاق ہوا تھا۔

پس کتبِ احادیث خواہ وہ بخاری کی اصح الکتب ہی کیوں نہ ہو بمصداق ع اور خود گمراہ ست کرارہبری کند۔ اس قابل نہیں کہ ان پر ایمانیات کے بارے میں کلی اعتماد کیا جاسکے ۔ اسی بناء پر اہل قرآن اور ان کے ہم خیال اصحاب یہ گوارا نہیں کرتے کہ قرآن جیسی کتاب کو احادیث کا محتاج گردانا جائے وہ کہتے ہیں کہ " خدا نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور اس حفاظت کو قرآن مجید کی صداقت کی دلیل بنایا گیا ہے -------۔ اب اگر حدیثیں بھی اس ذمہ میں داخل ہیں یا اگر قرآن مجید کی طرح بحفاظت تمام ہم تک نہیں پہنچیں اور جو پہنچی ہیں ان میں رسولِ خدا یا صحابہ کے وقت کا کوئی نوشتہ موجود نہیں جو اہل اسلام کے ہاتھوں میں متداول رہاہو۔ بلکہ وہ سب شہادت درشہادت درشہادت (کہاں تک لکھا جائے) کے طور پر آئی ہیں اور یوں وہ ظنی ہوگئ ہیں وہ غریب وضعیف بھی بن گئی ہیں بلکہ ان میں توغیب و ترہیب کے لئے جھوٹ بھی ملا یا گیا ہے بلکہ مختلف فرقوں نے اپنی اپنی اغراض کے لئے مختلف بھی بنالی ہیں اور ان میں موضوع حدیثیں ہی نہیں بلکہ موضوع آیات بھی بنا کر شامل کی گئی ہیں تو اس سے صاف کھل جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حدیث کو اپنی حفاظت سے نکال دیا ہے ۔" (برہان القرآن صفحہ 82و83)۔

(10)

حقیقت تو یہ ہے کہ اہل اسلام نے احادیث کے جمع کرنے اور ان سے سند لینے میں اہل یہود کی پیروی کی اور ان کی دیکھا دیکھی یہ کتب بنائیں۔ پس احادیث اور دیگر کتب فقہ یہودیت کی مرہون احسان ہیں۔ جو درجہ اہل یہود کے نزدیک کتب طالمود کا ہے وہی درجہ اہل اسلام کے نزدیک کتب احادیث کا ہے ۔ اہل اسلام نے اہل یہود سے راویوں کا سلسلہ وغیرہ قائم کرنا سیکھا۔ چنانچہ اہل یہود میں راویوں سے یوں سند لی جاتی تھی " ربی الف نے کہا کہ اس نے ربی ب کو یوں کہتے سنا کہ " وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح اہل یہود اپنی کتب روایات کو کلام ربانی سے مانتے ہیں اسی طرح اہل اسلام اپنی کتب احادیث کو وحی خفی مانتے ہیں اور یہ عقیدہ انہوں نے یہودیت سے ہی سیکھا ہے کہ اگر تم دونوں مذاہب کی کتب روایات کا مقابلہ کرو تو تم دیکھو گے دونوں کی کتب روایات کے عنوانات تک یکساں ہیں۔ یہودیت میں کتب فقہ بھی ہیں جو "حلقہ " کے نام سے موسوم ہیں۔ اسلامی کتب

فقہ انہی کتب حلقہ کے سانچے میں ڈھالی ہوئی ہیں۔ اور تم کو بصد مشکل فقہ کا کوئی ایسا مسئلہ ملیگا جو یہودی "حلقہ" کا مرہون منت نہ ہو۔

(11)

قرآن بائبل کا محتاج ہے

مذکورہ بالا بحث سے دو باتیں ظاہر ہیں۔ اول یہ کہ قرآن ایک غیر مکمل کتاب ہے اور ضرور غیر قرآن کی محتاج ہے۔ اور دوم یہ کہ احادیث کا مجموعہ اس قابل نہیں کہ قرآن کے اس نقص کو رفع کرسکے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے لئے اس مخمصہ میں سے نکلنے کی کوئی راہ ہے یا نہیں ؟

جواباً عرض ہے کہ قرآن خود اپنے مجمل اور غیر مکمل ہونے کے نقص کو پورا کرنے کی راہ بتلاتا ہے اور چونکہ مسلمانوں نے اس راہ سے غفلت اختیار کرلی لہذا وہ صحیح راہ سے کوسوں دور بھٹک گئے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ قرآن مجید نے خود اپنی کمی محسوس کرکے آپ اس نقص کو دور کرنے کا اصول بھی قائم کردیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فسل الذین یقرون الکتاب من قبلک۔ یعنی (اے محمد) اگر تجھ کو اس چیز میں جو ہم نے تیری طرف اتاری کچھ شک ہو تو ان لوگوں سے پوچھ لیا کرو جو بائبل 1* کو تجھ سے پہلے پڑھا کرتے ہیں" (یونس ع 10) پھر کتاب مقدس کے انبیاء کا تذکرہ کرکے فرمایا۔ ھدی اللہ فبھدا ھمہ اقتدہ" یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نےہدایت بخشی۔

1* عربی لفظ "الکتاب" یونانی لفظ "بائبل" کا لفظی ترجمہ ہے۔

پس ان ہدایت کی پیروی کر (انعام ع 10) چنانچہ رسول عربی اس حکم پر عمل بھی کرتے رہے (سورہ قصص آیت 49) پھر جو حکم اللہ نے آنحضرت کو دیا وہی سب مسلمانوں کو دیا اور فرمایا فسلو اہل ذکر ان کنتمہ لا تعلمون "اے مسلمانو اگر تم کو کسی شے کا علم نہ ہو تو بائبل والوں سے دریافت کرلیا کرو۔" مذکورہ بالاآیات سے ظاہر ہے۔ کہ خود آنحضرت ﷺ قرآنی مشکلات کو قرآنی آیات سے حل نہ کرسکے اور آپ کو حکم ہوا کہ جب اس قسم کی مشکل آپڑے تو بائبل مقدس کی مدد لیا کرو اور آنحضرت اس حکم پر چلتے بھی رہے۔ اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم ہوا کہ تم کو بھی جب کسی مسئلہ کی نسبت علم نہ ہو تو بائبل شریف کی طرف رجوع کیا کرو۔ لیکن اہل اسلام کے علماء نے ان کو اس سیدھے رستے اور الہیٰ حکم اور سنت نبوی سے ورغلادیا اور الہیٰ حکم کو بمصداق وراء ظہور ہمہ پس پشت پھینک دیا اور رکھا کہ تم قرآن کا حل قرآن میں ڈھونڈو یاکہہ دیا کہ تم بائبل کی بجائے حدیث رسول کی جانب رجوع کیا کرو۔ اور یہ بھول گئے کہ جب حضرت خود قرآنی مشکلات کو قرآن سے حل نہ کرسکے توماوشما کیونکر کرسکینگے اور جب رسول آپ اپنی زندگی میں یہ مرحلہ پورا نہ کرسکے تو اب حدیث رسول کس طرح اس کٹھن منزل کو طے کرسکیگی بالخصوص جب حدیث کا حال وہ ہے جو اوپر بیان ہوچکا ہے ؟

اگر علمائے اسلام اس الہیٰ حکم اور سنت نبوی کو محکم پکڑلیتے تو ان پر یہ ظاہر ہوجاتا کہ تمام مسائل شرعیہ جن کو وہ کتب احادیث وکتب فقہ میں تلاش کرنے میں حیران وسرگردان رہتے ہیں توریت مقدس میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے توریت کی نسبت کہا" ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو نیکوکاروں کے لئے پورا فضل ہے جس میں ہر ایک بات کے لئے تفصیل ہے۔ وہ ہدایت اور رحمت ہے" (انعام ع 19 وغیرہ) امور شرعیہ جو بالتفصیل توریت میں مندرج ہیں قرآن کے مجمل احکام کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ روحانیت کے تمام اصول جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے کتب انبیائے سابقین میں پائے جاتے ہیں کیونکہ قرآن کا یہ منشاء ہی نہ تھا کہ اہل اسلام بائبل شریف کی تلاوت کو ترک کردیں اور صرف اسی کو پڑھیں۔ بلکہ قرآن کا یہ منشا تھا اور واجبات میں سے تھا کہ جس طرح مسیحی انجیل جلیل کے ساتھ ساتھ انبیائے سابقین کی کتب کی تلاوت کرتے ہیں اسی طرح مسلمان ایماندار بھی قرآن شریف کے ساتھ ساتھ توریت مقدس کتب انبیائے سابقین اور انجیل جلیل کی تلاوت جاری رکھیں۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے تومنون بالکتب کلہ" اے مسلمانوں تم (وہ ہوجو) تمام کی تمام کی تمام بائبل پر ایمان لاتے ہو (آل عمران ع 12) لیکن احکام الہیٰ کی ضد میں اور منشائے قرآنی اور سنت نبوی کے خلاف علمائے اسلام کہتے ہیں نومن بما انزل علینا ویکفرون بماوراء "ہم صرف قرآن پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا۔ اور اس کے علاوہ

جو نازل ہوااس کو نہیں مانتے حالانکہ وہ حق ہے ۔" (بقر 85)خدا ایسے ہی نا فرنبردار لوگوں کو مخاطب کرکے ڈراتا اور کہتا ہے ۔ افتو منون ببعض الکتب وتکفرون ببعض فما جزا من یفعل ذالک منکمہ الاخزی فی الحیواۃ الد نیا ویوم القیمہ یردون الی شد العذاب" تم جو خدا کی کتابوں کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو جو شخص تم میں ایسا کریگا اس کا بدلہ سوائے اس کے کیا ہے کہ اس دنیا میں اس رسوائی ہو اور قیامت میں بڑے عذاب کی طرف لوٹا یا جائے "(بقرع10)۔

علمائے اسلام نے الہٰی حکم اور تعذیب سے روگردانی کرنے کے لئے یہ حیلہ تراشا ہے کہ بائبل مقدس محرف ہو گئی ہے ۔ اس کے جواب میں ہم قرآنی آیت کے الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ قل بسما یامرکم بہ ایمانکمہ کنتمہ مومنین" توکہہ دے اگر تمہارا یہی ایمان ہے اور تم ہی ایماندار ہو تو تمہارا ایمان تم کو برا سکھاتا ہے " (بقر ع 11)ہم نے تحریف کے مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ "صحت کتب مقدسہ " لکھاہے جس میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کردیا ہے ۔ کہ یہ من گھڑت الزام سراسر غلط بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے ہم نے بحکم وزنو بالقسطاس المستقیہ" سیدھی ترازو میں تولو" (بنی اسرائیل 37) کتاب مقدس اور قرآن شریف کی صحت کا موازنہ بھی کیا ہے۔ لہذا ہم یہاں اس بحث میں نہیں الجھتے بلکہ ناظرین کی توجہ اس کتاب کی جانب مبذول کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور قرآنی الفاظ میں مسلمانوں کو بنانگ دہل دعوت دیتے ہیں۔ یا اہل الاسلام تعالو الیٰ کلمةٍ سواءٍ بینا وبینکمہ اے مسلمانو" ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساہے " (آل عمران ع 7)کتاب مقدس ہی صرف ایک شے ہے جو یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں میں یکساں ہے ان لفی زبراہ لاولین بیشک یہ قرآن اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں مذکور ہے(شعراء 1- 192)قولو امنا بالذی اترک الینا وانزل الیکمہ والھنا والھکمہ واحد ۔ تم کھو کہ اے یہودیو اور عیسائیوں ہم قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اترا اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر اتریں اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے " (عنکبوت 45)پس اہل اسلام کو اسی عالم گیر کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ الہٰی احکام قرآنی آیات اور سنت نبوی کے موافق اس پر عمل کرکے نجات حاصل کریں۔

وما علینا الا البلاغ۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتومیگو ئم
توخواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال